عہدِ عثمانی میں اردو کی ترقی

(یعنی)

گزشتہ پچیس سال سے حیدرآباد دکن میں اردو زبان و ادب کی نشو و نما کا تذکرہ

(مرتبہ)

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، ایم اے، پی ایچ ڈی (لندن) پروفیسر اردو جامعہ عثمانیہ

۱۳۴۳ف — ۱۹۳۴ء

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

مصنف کی دوسری کتابیں

تاریخ ادب۔ ۱۔ اردو شہ پارے ۲۔ اردو کے اسالیب بیان (طبع ثانی) ۳۔ محمود غزنوی کی بزم ادب

تنقید۔ ۴۔ روح تنقید (طبع ثالث) ۵۔ تنقیدی مقالات (طبع ثانی) ۶۔ تین شاعر

افسانہ۔ ۷۔ طلسم تقدیر۔ ۸۔ تازیانہ

لسانیات۔ ۹۔ ہندستانی لسانیات۔ ۱۰۔ ہندستانی صوتیات (انگریزی)

ادبی تحقیق۔ ۱۱۔ گلزار ابراہیم (سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو) ۱۲۔ گارساں دتاسی (ہندستانی اکیڈمی)

۱۳۔ دیوان زادہ حاتم۔ (زیر طبع ہندستانی اکیڈیمی)

فہرست

عہدِ عثمانی میں اردو کی ترقی

دیباچہ

(تمہید)

حصہ اول

حصّہ دوم

سلطان العلوم کی سرپرستی کے اثرات

صفحہ

اشاریہ

(صفحات ۱۸۲ تا ۲۰۰)

عہدِ عثمانی کی فیاض سرپرستیوں کی وجہ سے گذشتہ ربع صدی میں اردو کو جو غیر معمولی اور ہمہ جہتی ترقی حاصل ہوئی اس کے ہر پہلو پر ایک جدا اور مبسوط کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ایک وقت وہ آئے گا جبکہ اردو ادبیات کے مورخ ان تمام پہلوؤں کا مختلف نقاط نظر سے مطالعہ کریں گے۔ اور ہمیں کوئی شک نہیں ہے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا اس عہد ترقی کے اثرات نمایاں ہوتے جائیں گے، اسکی اہمیت کا احساس بڑھتا جائیگا اور بالآخر خود ادبیات اردو کی تاریخ ثابت کردے گی کہ اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کا ذوق اردو عہد آفریں ثابت ہوا ہے۔

موضوع کی اس غیر معمولی اہمیت اور وسعت کے لحاظ سے یہ مختصر سی کتاب زیادہ کامیاب نہیں سمجھی جا سکتی۔ اس کی ہر فصل ایک جداگانہ کتاب کا موضوع بن سکتی ہے اگر خاطر خواہ توجہ سے کام کیا جائے۔ چنانچہ اسی توقع پر اس ابتدائی اور ایک گونہ تعارفی کوشش کو شایع کیا جا رہا ہے۔ مصنف کی نظر میں یہ اسی وقت کامیاب ثابت ہوگی جب اس کتاب کے مندرجہ موضوعوں کی طرف باہمت حضرات زیادہ شرح و بسط کے ساتھ متوجہ ہوں گے۔

شاید اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ موجودہ مصنف بھی ایک ایسے اہم اور وسیع موضوع کو اتنی مختصر سی کتاب میں نہایت اجمال کے ساتھ بیان کر دینے کی جراءت نہ کرتا اگر چند کرم فرماؤں کی پے در پے خواہشات اور مسلسل اصرار کی وجہ سے وہ مجبور نہ ہو جاتا۔

انجمن طیلسانین عثمانیہ کی خواہش پر اس کی سالانہ کانفرنس منعقدہ ماہ دے ۱۳۴۲ف میں مصنف کو جامعہ عثمانیہ کے فرزندوں کی اردو خدمات پر ایک مضمون پڑھنا پڑا جس کے بعد سے حیدرآباد کے ایسے انشا پردازوں جنہیں جامعہ عثمانیہ سے تعلق نہیں اور جن میں سے اکثروں نے اس کے قیام سے پیشتر ہی سے اردو کی خدمت شروع کر دی تھی، مصنف سے فرمائش کی گئی کہ حیدرآباد میں جامعہ عثمانیہ سے باہر کے خدمت گذاران اردو پر بھی ایک مضمون لکھ دینا چاہیے۔ مگر اس کے لئے مواد کی ضرورت تھی اور جب یہ عذر پیش کیا گیا تو ایک محترم عنایت فرما نے اخباروں میں اور مطبوعہ خطوط کے ذریعے سے اس کا اعلان کیا اور حیدرآباد کے اردو شاعروں اور انشا پردازوں سے ان کے حالات اور کلام کی نسبت مواد طلب کیا۔ چنانچہ بعض اصحاب نے تفصیلی اور بعض نے مجمل جوابات بھی روانہ کئے۔ یہ کام شروع کر دیا گیا تھا کہ گذشتہ مہینہ (مہر ۱۳۴۲ف) کے آغاز میں مولوی سید خورشید علی صاحب ناظم دفتر دیوانی و مال و ملکی وغیرہ نے اس کتاب کے موجودہ موضوع کی طرف توجہ دلائی اور مصنف کے عذر بے بضاعتی اور موضوع کی اہمیت اور وسعت کے اظہار کے باوجود اصرار کیا کہ اس پر ضرور لکھا جائے اور ایک خاص مدت کے اندر لکھا جائے۔ مجبوراً اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اور اس قلیل عرصہ میں جو کچھ ہو سکا اس کو کتاب کی صورت دیکر محترم موصوف ہی کے نذر کیا جا رہا ہے۔

اس قدر قلیل عرصہ میں کتاب کا مرتب ہو جانا اس لئے ممکن ہوا کہ اس کیلئے مواد کی فراہمی میں خود مولوی سید خورشید علی صاحب نے ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں اور ان کے علاوہ مولوی ابو محمد رفیعی صاحب، مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب اور پروفیسر عبدالمجید صدیقی صاحب نے بھی امداد کی جس کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ جن مطبوعہ تحریروں سے مدد لی گئی ان کے حوالے جا بجا متن کتاب میں مندرج ہیں۔

اس سلسلہ میں "بستان آصفیہ" (مولفہ مانک راؤ صاحب) "روح ترقی" (مصنفہ محمد مرتضیٰ مرحوم) اور "تاریخ دارالعلوم" وغیرہ کے علاوہ انجمن طلبۂ قدیم دارالعلوم حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس، انجمن ثمرۃ الادب، انجمن اسلامیہ، مجلس اشاعت العلوم، انجمن ترقی اردو، جامعہ عثمانیہ اور دارالترجمہ وغیرہ کی جلسوں سالانہ اور دیگر روئدادوں، سرکاری تحریروں، اور متعدد رسالوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ شعراء و مصنفین و مولفین اور ان کے کارناموں، نیز علمی اداروں کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں کسی طرح کی جانب داری یا مروت و مخالفت کو دخل نہیں ہے۔ اس احتیاط کے باوجود اگر کسی کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہو تو مصنف قابل درگذر ہے کیونکہ وہ اپنے موجودہ ذوق اور مطالعہ کی وجہ سے اپنی خیالات کے اظہار پر مجبور تھا۔ معاصر شاعروں اور انشا پردازوں، اور ان کی تحریروں کی نسبت صحیح رائے قائم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اصل میں آنے والی نسلیں ہی اس کا قطعی فیصلہ کر سکتی ہیں مگر انہیں بھی غور و فکر کے سلسلہ میں اس کتاب جیسی معاصر تحریروں کا مطالعہ کرنا لازمی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب کے متعلق کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ اسکو دو حصوں میں محض اس وجہ سے تقسیم کر دیا گیا ہے کہ عہد عثمانی کے حیدرآباد کی اردو تاریخ کا اقتضا ہی یہ تھا۔ گذشتہ ربع صدی کے اندر حیدرآباد کی زبان اردو کی تعمیر درحقیقت دو جداگانہ دوروں پر منقسم ہو جاتی ہے۔ پہلے دور میں گویا خاکہ تیار ہوا اور سنگ بنیاد رکھا گیا جس کے لئے خاص طور پر اہتمام کئے گئے۔ دوسرے یعنی موجودہ دور میں اسکے بالائی حصوں کی تعمیر و تکمیل ہو رہی ہے اور یہ عمارت اپنے حسن و آرائش، شان و شوکت، بلندی و استحکام اور وسعت و رونق کی وجہ سے تمام اردو دنیا کے لئے باعث فخر بنتی جا رہی ہے۔ یہی دو دور اس کتاب کے دو جدا جدا حصوں کے موضوع ہیں اور چونکہ پوری کتاب اعلیٰ حضرت خسرو دکن کی بے نظیر سرپرستی اردو کا ایک صحیح مرقع ہے اس لئے ابتدا میں یعنی حصہ اول سے قبل ایک تمہید شامل ہے جس میں زبان اردو سے اعلیٰ حضرت کی ذاتی دلچسپی کا ایک مجمل تذکرہ مندرج ہے۔

کتاب کے آخر میں یعنے حصہ دوم کے بعد ایک ضمیمہ درج کرنے کا خیال تھا جو عہد عثمانی کی جملہ اردو مطبوعات کی مضمون وار فہرست پر مشتمل ہے چنانچہ کتاب میں بعض جگہ اس کا ذکر بھی کیا گیا ہے مگر یہ فہرست اتنی طویل ہوگئی کہ اس کا حجم خود کتاب کے حجم کے برابر ہوا چلا تو یہ ارادہ ملتوی کر دیا گیا اور اب یہ ضمیمہ ایک جداگانہ کتاب کی صورت میں شایع ہوگا۔ اس کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ صرف گذشتہ ربع صدی کے اندر حیدرآباد میں قریب قریب چار ہزار اردو کتابیں وغیرہ لکھیں گئیں افسوس ہے کہ ایسا اہم ضمیمہ اس کتاب کے ساتھ شریک نہیں کیا جا سکتا۔

سید محی الدین قادری

رفعت منزل ۔ سوماجی گوڑہ،
حیدرآباد دکن
مورخہ ۲۵ آبان ۱۳۴۳ فصلی
مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۳۴ عیسوی

زبان اردو سے اعلیٰحضرت سلطان العلوم

کی

ذاتی دلچسپی
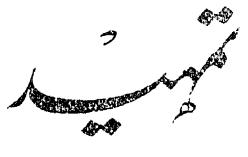
دکن کی مسلسل اردو خدمات ۔ عہد عثمانی کا امتیاز
سلطان العلوم کا ذوق علم و فضل ۔ مذاق شعر و سخن
اردو کی قدر افزائی ۔ اردو کے مصنفوں شاعروں
اور اداروں کیلئے منصبوں ماہواروں اور عطیوں کی منظوریاں

سرزمین دکن نے اردو ادب کا آغاز نہ معلوم ایسی کونسی مبارک گھڑی میں کیا تھا کہ اُس کے سپوت آج تک اسکی خدمت میں سرگرم کار ہیں، اور گذشتہ تین چار صدیوں کے طویل عرصہ میں کبھی کسی وجہ سے بھی اپنے کام کو ملتوی نہیں کیا۔ شاید ہی کوئی عہد یہاں ایسا گذرا ہو جس میں اردو سے کسی طرح کی بے توجہی کی گئی ہو۔ قدیم دکنی سلطنتوں کی اُردو نوازیاں ڈیڑھ سو سال تک عالم گمنامی میں رہنے کے بعد اب پھر منظر عام پر آ رہی ہیں، اور اردو کے اکثر بڑے بڑے ادیب اور محقق ان کی ترتیب و تحقیق و اشاعت میں اپنی اعلیٰ ترین قابلیتوں کا اظہار کر رہے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ دس بارہ سال کے عرصہ میں درجنوں کتابیں رسائل اور مضامین ان قدیم اردو کارناموں پر لکھے جا چکے ہیں۔

محمد قلی اور عبداللہ قطب شاہ جیسے قدردانِ اُردو باقی نہیں رہے تھے، اور فارسی کی قدردان سلطنت مغلیہ کے تسلط کی وجہ سے دکن کے اُردو ادیبوں کو درباری ہمت افزائیوں کی کوئی توقع نہ تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قطب شاہیوں کی روشن کی ہوئی شمع اُردو شاید گل ہو جائے گی لیکن ایسے ناموافق ماحول میں بھی ولی و سراج اور قادر و مرزا جیسے متعدد باکمال شاعر موجود تھے۔ اور اُن کے دم سے شعر و سخن کی مجلسیں برابر گرم تھیں۔ ان مجلسوں کے چراغ ابھی گل بھی نہ ہونے پائے تھے کہ نواب ارسطو جاہ، اعلیٰ حضرت سکندر جاہ، مہاراجہ چندولال، اور نواب شمس الامرا اور ان کے فرزندوں (شمس الامرا ثانی اور شمس الامرا ثالث) نے اپنی مشہور آفاق سرپرستیوں سے اُن کی تابناکیوں میں چار چاند لگا دیئے لیکن یہ مجلسیں اور ان کے سرگرمیاں ابھی اُردو دنیا کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ ان پر بھی بعض باہمت سرگرم کار ہیں اور یقین ہے کہ قریب میں اس عہد کی نسبت ہماری معلومات میں حیرت ناک اضافے ہوں گے۔

شمس الامرائی ضیا پاشیاں ابھی مدہم نہ ہونے پائی تھیں کہ اعلیٰحضرت غفراں مکاں آصف جاہ

سادس کے عہد کی فیاضیوں نے اردو کی محفل کو بزم چراغاں بنا دیا۔ اور اب اس بزم چراغاں میں عہد حضرت سلطان العلوم آصف جاہ سابع کی مسیحا نفسی نے برقی رو دوڑا دی ہے۔ اور جامعہ عثمانیہ کے قیام کے بعد سے ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ اردو ادب اور علم و فضل کی یہ برقی روشنی حیدرآباد ہی کو نہیں فضائے ہندستان کو روشن اور درخشاں کر دے گی۔

حضرت سلطان العلوم کا دور حکومت اردو کی ترقی کے لحاظ سے گذشتہ تمام عہدوں سے ممتاز ہے اور یہ امتیاز نہ صرف دکن کے عہدہائے ماضی تک محدود ہے، بلکہ تمام ہندستان میں کہیں اور کسی وقت بھی اردو زبان اور ادب کی سرپرستی اس اعلیٰ پیمانہ پر نہیں کی گئی۔ دہلی کے آخری چند فرمانروا، محمد شاہ، شاہ عالم، اکبر شاہ، اور بہادر شاہ ظفر، اور لکھنؤ کے دو تین حکمران مثلاً آصف الدولہ اور واجد علی شاہ اردو و شعر و سخن کی قدردانی کی وجہ سے مشہور ہیں لیکن ان میں سے بھی کسی نے اردو کی تعمیر ایسی مستحکم بنیادوں پر نہیں کی جو عہد عثمانی میں محض حضرت سلطان العلوم کی مآل بینیوں کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئیں۔ عہد رفتہ کی تمام اردو نوازیاں صرف ادبیات اور شعر و سخن تک محدود تھیں لیکن اس عہد میں اردو کو اس قدر وسعت دی گئی کہ وہ دنیا کی بڑی سے بڑی زبانوں کی طرح ہر قدیم سے قدیم اور جدید سے جدید علوم و فنون و حکمیات کی حامل ہو گئی یہ وہ خصوصیت ہے جو ہندستان کی کسی اور زبان کو اب تک حاصل نہ ہو سکی اور ہندستان تو کجا تمام براعظم ایشیا میں شاید ہی ایک دو زبانیں اور ہوں جو اس امتیاز میں اردو کی ہمسری کر سکیں۔

(۲)

اردو زبان کو اتنے قلیل عرصہ میں ایسا غیر معمولی امتیاز کس طرح حاصل ہو گیا اسکے اسباب جب عہد مستقبل کے مورخ دریافت کرنا چاہیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ اس کا سب سے اہم سبب حضرت سلطان العلوم کا ذاتی علمی و ادبی ذوق ہے تخت نشینی سے پہلے ہی آپ کی تعلیم تکمیل کو پہنچ چکی تھی، اور علم و ادب کا

صحیح مذاق پیدا ہو چکا تھا۔ آپ کے استاد مولوی انوار اللہ خاں نواب فضیلت جنگ مرحوم نہ صرف ایک متبحر عالم تھے بلکہ اعلےٰ درجہ کے انشاء پرداز بھی۔ انہوں نے متعدد موضوعوں پر اردو میں کتابیں لکھیں جن میں سے اکثر نہایت اہم ہیں اور اردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔ غرض ایک ایسے سرچشمۂ فضل و کمال کا اثر تھا کہ حضرت سلطان العلوم ابتدا ہی سے سنجیدہ علمی مذاق سے بہرہ ور ہو گئے۔ شاید ہی کوئی صاحب تخت و تاج ایسا گذرا ہو جو ایسے علم و فضل اور شعر و سخن کے ساتھ اردو کا ایسا اچھا ذوق بھی رکھتا ہو۔

اعلیٰ حضرت آصفجاہ سابع کے اردو ذوق سخن میں بھی علمی شان نمایاں ہے۔ مضامین کی بلندی اور زبان کی لطافت آپ کی شاعری کی نمایاں خصوصیت ہے۔ محض عشق عاشقی کے اظہار اور رنگین بیانی کی طرف توجہ کرنا آپ کی فطرت کے خلاف ہے اور اس کے علاوہ آپ جس استاد سخن سے مشورہ فرماتے ہیں وہ بھی نہایت سنجیدہ اور پختہ ذوق کے شاعر ہیں۔ نواب فصاحت جنگ جلیل اس وقت یگانۂ روزگار ہیں، انکا کلام، نواب فصیح الملک داغ کے کلام کی طرح شوخیوں اور رنگینیوں سے معمور نہیں ہوتا۔ اعلیحضرت کی اردو غزلیں حیدرآباد کے جرائد میں شایع ہوتی رہتی ہیں جسکی وجہ سے ملک کی ادبی فضا میں اضافہ ہوتا ہے اور نوجوان دماغ اُن کے مطالعہ سے اپنے ذوق سخن میں ترقی حاصل کرتے ہیں۔

(۳)

اعلیٰ حضرت کا یہ ذوق سخن گستری نہ صرف عام اہل ملک کے لئے شمع ہدایت کا کام دے رہا ہے بلکہ اس وقت تک خاندان شاہی بھی اس سے کافی بہرہ مند ہو چکا ہے۔ چنانچہ حضور سلطان العلوم کے زیر تربیت متعدد شہزادوں کو اردو اور فارسی کا اچھا ذوق پیدا ہو گیا ہے۔ انکا کلام بھی ملک کے جرائد میں شایع ہوتا رہتا ہے۔ اور خاصکر دوسرے شہزادے والاشان نواب معظم جاہ بہادر شجیع کا تو دیوان بھی مرتب ہو چکا ہے جس کا نام خود اعلیحضرت نے "شمشیر شجاعت" رکھا اور اپنے ایک فرمان مورخہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ ہجری میں ارشاد فرمایا ہے کہ۔

"میرے دوسرے لڑکے کا اردو کلام (یعنی معظم جاہ والاشان کا) جو کہ کم و بیش سات سو غزلوں پر مشتمل ہے، اس وقت فصاحت جنگ جلیل کے زیر اصلاح ہے۔ اور جس وقت یہ کام مکمل ہو جائے گا تو زمانہ قریب میں یہ طبع ہوگا۔ دو حصہ میں۔ اس وقت میں اس پر استاد کی رائے کے ساتھ کہ کلام کس پایہ کا ہے، چند سطری دیباچہ لکھنے کا قصد رکھتا ہوں۔ خلاصہ ایں کہ یہ ذوق و شوق شاعری انکو وراثتاً حاصل ہے جو باوجود کم عمری و مشق سخن بہت اعلیٰ و ارفع واقع ہوا ہے"

دیباچہ تحریر فرمانے کی طرف اشارہ اس حقیقت حال کو واضح کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو سخن گستری اور سخن فہمی سے کس قدر شغف ہے۔ اس سے قبل بھی اعلیحضرت کے کئی فرمان ایسے صادر ہو چکے ہیں جن سے اس کا مزید ثبوت ملتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ عصر حاضر کے شاعروں کا جو کلام رسائل و جرائد میں چھپتا رہتا ہے وہ برابر آپ کے ملاحظہ سے گذرتا ہے، اور آپ اکثر اس کے حسن و قبح پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ چنانچہ نواب ضیا یار جنگ کے فارسی کلام اور نواب فصاحت جنگ، نواب عزیز یار جنگ، اور شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی کے اردو کلام اور انکی خصوصیتوں کی نسبت آپ کے بصیرت افروز تبصرے فرمانوں کی صورت میں شایع ہو چکے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے اردو شغف کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ آپ نے حیدرآباد کے لئے ایک قومی ترانہ کی ضرورت محسوس فرما کر اپنے ہی کلام فصاحت التیام سے پہلے ایک فارسی غزل اس مقصد کے لئے مخصوص فرمائی۔ لیکن چند ہی روز بعد ایک اور فرمان صادر ہوا جس نے ثابت کر دیا کہ آپ کو اردو سے کتنی دلچسپی ہے اور آپ اس کو کس قدر ضروری سمجھتے ہیں۔ یکم جمادی الاول ۱۳۵۲ھ کو آپ نے تحریر فرمایا۔

بہت سے اشخاص کی خواہش تھی کہ فارسی قومی ترانۂ دکن کے سوا دوسرا ترانہ زبان اردو میں ہوتا تو اس کے یاد کرنے میں عوام کو آسانی ہوتی۔ مگر مجبوری یہ تھی کہ اس زبان میں اسر دست کوئی تیار نہ تھا۔ مگر حسن اتفاق کہ تلاش سے میری ایک غزل نکل آئی ہے جو کہ مضامین کے لحاظ سے اس کو ترانہ

قرار دیا جا سکتا ہے۔ جو کہ اس جگہ درج کی جاتی ہے۔ یعنے

قومی ترانۂ دکن

بزبان اردو

تا ابد خالق عالم یہ ریاست رکھے
تجھ کو عثماں بصد اجلال سلامت رکھے

جیسے تو فخر سلاطین ہے بفضل یزداں
یوں ہی ہمت ز ترا دورِ حکومت رکھے

آل اولاد کو اللہ دے عمر خضری
ان سے آباد ترا خانۂ دولت رکھے

جود حاتم رہے شرمندۂ احساں تیرا
عدل کسریٰ کو خجل تیری عدالت رکھے

خندہ زن صورت گل تیرے ہوا خواہ رہیں
آکے قدموں پہ عدو فرق اطاعت رکھے

سب رعایا کو تری سالگرہ کی تقریب
با نشاط و طرب و عیش و مسرت رکھے

نبکے ساقی ترا اقبال نظام سالع
تجھ کو صہباکش خم خانۂ عشرت رکھے

اور مجھے امید ہے کہ اس سے مقصد پورا ہو جائے گا۔"

(۴)

آخر میں اس امر کا اظہار نامناسب نہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت نے اپنی تخت نشینی کے ساتھ ہی اردو تصنیف و تالیف کی قدر افزائی اور عام علمی تحریکات کے اجرا و نشو و نما کے لئے کیسی دریا دلی کے ساتھ حیدرآباد میں اور حیدرآباد کے باہر کے عالموں انشا پردازوں، شاعروں اور علمی اداروں کی سرپرستی اور امداد کرنی شروع کر دی تھی۔ اس کی تفصیل کا علم تو ناممکن ہے البتہ جو ضمنی اور ناکمل معلومات حاصل ہوئی ہیں انہیں کا ایک اجمالی ذکر یہاں کر دیا جاتا ہے، جن کے مطالعہ سے ثابت ہو جائے گا کہ اعلیحضرت کو

ان امور سے کس قدر ذاتی دلچسپی ہے اور اردو کا مستقبل آپ کی توجہات شاہانہ کی وجہ سے کتنا شاندار ہوگیا

تخت نشینی کے ساتھ ہی پہلے دو تین سال کے اندر آپ نے جہاں شبلی نعمانی مرحوم کے لئے تین سو روپیہ ماہوار منظور فرمائی ترتیب آصف اللغات کے صلہ میں اور پانسو کا اضافہ کیا۔ مسلم یونیورسٹی کے لئے یکمشت پانچ لاکھ کا عطیہ دیا، اور علی گڈھ کالج کو تین ہزار ماہوار مقرر کی۔

۱۳۳۳ھ سے ۱۳۳۵ھ تک مدیر پیسہ اخبار لاہور کو سالانہ ایک ہزار، تصانیف امیر خسرو کی طباعت کے لئے پندرہ ہزار، شفقت علی خاں شاہجہاں پوری کو دو سو روپیہ صلہ تصنیف، حبیب احمد خاں صاحب کو تصنیف کتب کے صلہ میں پانسو، عبدالرؤف صاحب شوق کو مثنوی مرقع رحمت کے لئے پانسو روپیہ یکمشت اور پانسو جلدوں کی خریدی کا حکم، سید سجاد حسین صاحب اڈیٹر اودھ پنچ کی بیوہ کے لئے پانسو کلدار، فرید احمد صاحب عباسی کو بصلہ تصنیف کتب پانسو، بنگلور انڈین انسٹیٹیوٹ آف سائنس کو دس ہزار سالانہ، اور آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کو [illegible] کلدار کے پرامیسری نوٹ (جن کی آمدنی سالانہ [illegible] ہزار ہوتی ہے) عنایت کئے گئے۔

اس کے بعد ۱۳۳۶ھ میں حسب ذیل امدادیں عطا ہوئیں:۔

عبدالرب صاحب کوکب کو رسالہ اتالیق کے لئے سالانہ ایک ہزار دو سو پچیس، حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کی نمائش کے لئے سالانہ [illegible]، علی گڑھ کالج کے لئے پچاس ہزار، محب الحق صاحب بانکی پوری کو تصانیف کے صلہ میں پانسو یکمشت اور پچاس روپیہ ماہوار، عبدالوہاب صاحب عندلیب کو حمایت الاخلاق کے صلہ میں چار سو یکمشت اور پچاس ماہوار، عبداللہ خاں صاحب کی کتابوں کیلئے پانسو یکمشت۔ سید یٰسین علی صاحب مصنف تفسیر کو پچاس ماہوار، سید محمد حسین صاحب غلب موہانی کو تصنیفات کے صلہ میں پچاس ماہوار، مولوی عبدالحلیم شرر کو پانسو ماہوار، ظفر علی خاں صاحب کو ماہانہ چھ سو، اور ان کے لڑکے اختر علی کو ماہانہ دو سو (تاکہ اپنے والد کو تصنیف و تالیف میں مدد دیں) عبداللہ خاں صاحب

کسمنڈ وی ایڈیٹر اسلامک ورلڈ بمبئی کو دو سو ماہوار، شفیع الدین صاحب عارف کو قطعہ تاریخ عدالت العالیہ حیدرآباد کے صلہ میں پچاس روپیے ماہوار، اور انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کو وضع اصطلاحات کیلئے سالانہ تین ہزار

اس کے بعد دو سال یعنے ۱۳۳۸ھ تک اعلیٰ حضرت نے علم و فضل اور خاصکر اردو کے خدمت گذاروں کی طرف توجہ فرمائی اور محض اپنی ذاتی دلچسپی کی بنا پر اُن کی سرپرستی کی اُن میں سے حسب ذیل کی نسبت معلومات حاصل ہیں :۔

سید مختار احمد صاحب کو "قاموس الجغرافی" کے لئے اخراجات طبع اور سو روپیئے ماہوار، عبد الماجد صاحب دریا بادی مدیر رسالہ "سچ" کو ایک سو پچیس روپئے ماہوار، سجاد مرزا بیگ صاحب پروفیسر نظام کالج کی کتابوں کیلئے اضافہ یکمشت اور دو سو ماہوار، عبداللہ خاں صاحب (کتب خانہ آصفیہ) کے نام پچاس ماہوار، کتاب "سیرۃ النبی" مصنفہ شبلی نعمانی مرحوم کی تکمیل کے لئے دو سو ماہوار، محمد شمس الدین صاحب صدیقی حیدرآبادی کی کتابوں کے مصارف طباعت اور پچاس روپیئے ماہوار، انجمن ترقی تعلیم امرتسر کیلئے ڈھائی سو روپیئے ماہوار کتاب "رشک قمر" کی خریداری کے لئے چار سو پچیس کی منظوری، صادق حسین صاحب غبار کو عدالت العالیہ حیدرآباد کے قطعہ تاریخ کے صلہ میں پچاس روپیئے ماہوار، سید منظر علی صاحب اشہر مصنف "اعظم الاخلاق" و "اصول تعلیم" کو پچاس روپیئے ماہوار، عصمت النساء بیگم صاحبہ مولفہ کتاب "تحفۂ عثمانی" کو پچاس ماہوار۔

بعد کے سات آٹھ سال یعنے ۱۳۴۷ھ تک تصنیف و تالیف اور اردو خدمات کے سلسلہ میں ماہواروں عطیوں اور منصبوں وغیرہ کی نسبت کماحقہٗ علم نہ ہوسکا۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ حمایت ساگر حیدرآباد کی تاریخ کے صلہ میں حکیم غلام احمد صاحب کو سوا سو روپیئے منصب عنایت کی گئی اور حسب ذیل ماہواریں جاری کی گئیں :۔

میر قاسم علی واصف کو "مفتاح الحدیث" کے سلسلہ میں پچیس روپیئے ماہوار، پروفیسر عبد الحی صاحب (دار العلوم) کو "کتاب المحاورات" کے لئے دو سو، خواجہ حسن نظامی صاحب کو دو سو، عبد الماجد صاحب بدرس

دیوبند کو تیس روپئے ماہوار، محمد عبد الباری صاحب بھوپالی مولف حاشیہ "تفسیر مدارک" کو پچاس ماہوار
سید قاسم صاحب مصنف "رہنمائے حرمین شریفین" کو بیس ماہوار، شمس الدین صاحب جنرل سکرٹری انجمن
حمایت الاسلام لاہور کو سو ماہوار، مرزا نظام شاہ صاحب لبیب کو پچاس ماہوار، لکھنؤ کے مشہور سوز خوان
منجھو کو پچاس، سلیمان صاحب ندوی کو دو سو وظیفہ ماہانہ، سید امجد صاحب کو تالیف و تصنیف کے صلہ
میں پچاس روپیے ماہوار، ان کے علاوہ رسالہ القریش کو پانسو روپئے یکمشت اور دو سو ماہوار، انجمن
حمایت الاسلام لاہور کو تین سو روپیے ماہوار کتاب مصنفین اسلام کے سلسلہ میں دو سو روپئے ماہوار، مشہور
شاعر غلام قادر صاحب گرامی کی بیوی کے نام پچاس روپئے ماہوار، دار المصنفین اعظم گڈھ کے نام دو سو ماہوار
اور اردو گشتی کتب خانہ کو یکمشت پانچ ہزار جاری کرنے کے احکام صادر ہوئے۔

۱۳۴۸ھ میں حسب ذیل امداد اور ماہواریں وغیرہ جاری ہوئیں :۔

نواب حیدر یار جنگ بہادر نظم طباطبائی کو اردو ترجمہ "تاریخ طبری" کا انعام (اعــ) خریدی مجلہ عثمانیہ
کلیہ جامعہ عثمانیہ کے لئے (الـ اللوعـ) کی منظوری، صبح دکن حیدرآباد کے پچاس پرچے خریدنے کا اور ایک
سال کے لئے (الـ اللمکعـ) قیمت کی منظوری، اخبار صحیفہ حیدرآباد کی ڈھائی سو کاپیوں کی خریدی کا حکم،
کتاب "عروس الادب" کے تین سو نسخے بحساب تین روپیے فی نسخہ خریدنے کی منظوری، "شاہنامہ اسلام" مصنفہ
حفیظ جالندھری کے تین سو نسخے بحساب فی جلد تین روپئے چھ آنے اور رسالہ "ارشاد" سید یوسف الدین
قادری کی پانسو جلدیں بحساب فی جلد تین روپئے چار آنے خریدنے کا حکم صادر کیا گیا۔ رسالہ معیار الاوقات
صلوٰۃ ماہ صیام کی طباعت کے لئے یکمشت دو ہزار عنایت کئے گئے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی عمارتوں
کی تعمیر کے لئے یکمشت پچاس ہزار روپئے دیئے گئے اور ایک ہزار روپیے ماہوار مقرر ہوئی۔ مسلم یونیورسٹی
کے لئے یکمشت دس لاکھ عطا کئے گئے اور ماہوار میں دو ہزار کا اضافہ کیا گیا۔ پونہ کی مشہور کاروے زنانہ
یونیورسٹی کے لئے یکمشت پانچ ہزار اور پچاس روپیے ماہوار مرحمت کی گئی۔ اور ملا محمد واحدی صاحب

ایڈیٹر نظام المشائخ کو پچیس روپیے ماہوار جاری کی گئی۔

اس کے بعد دو سال سنہ ۱۳۵۱ھ تک اعلیٰ حضرت نے علم و فضل اور اردو کی جو سرپرستی فرمائی اسکی نسبت حسب ذیل معلومات حاصل ہیں۔

کتاب "مرقع سررشتۂ ٹپہ" مصنفہ محمد سلطان الدین خاں صاحب کی تین سو ساٹھ کاپیاں، مقامی پانچ اخباروں صحیفہ، مشیر دکن، رہبر دکن، صبح دکن، اور منشور کی پچاس پچاس کاپیاں، رسالۂ ارشاد کی سو کاپیاں، "حیدرآباد ٹیچر" کی چار سو ستاسی کاپیاں، "اخبار صبح دکن" اور دکن پنچ کے سالانہ نمبروں کی ایک ایک ہزار کاپیاں خریدنے کیلئے حکم صادر ہوا۔ آل انڈیا خواتین تعلیمی اسوسی ایشن کو یکمشت دو لاکھ روپے عطا کئے گئے۔ کتب خانہ حیدرآباد ٹیچرس اسوسی ایشن کو یکمشت ایک ہزار اور ماہانہ پندرہ روپیے اور قاری عبدالکریم صاحب کو نستعلیق اردو ٹائپ کی تیاری کے صلہ میں یکمشت چار ہزار روپیے مرحمت کئے گئے،

ماہواروں، منصبوں اور وظائف کی نسبت یہ معلومات سطحی اور نامکمل ہیں۔ افسوس ہے کہ اس موضوع سے متعلق تفصیلی اور خاطر خواہ مواد کسی کتاب سے دستیاب ہو سکتا ہے اور نہ توقع ہے کہ کسی سرکاری محکمہ میں صرف اِسی قبیل کی امداد و سرپرستی کا ایک جگہ اندراج ہو۔

اعلیٰ حضرت کا فیض جاری غیر محدود ہے۔ گذشتہ چند صفحات میں ہم نے جو کچھ نامکمل مواد پیش کرنے کی کوشش کی وہ صرف علاقۂ دیوانی کی ماہواروں وغیرہ سے متعلق تھا۔ اس کے علاوہ صرف خاص سے بھی امداد اور وظائف سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

غرض اعلیٰ حضرت سلطان العلوم آصف جاہ سابع کی ذاتی توجہ نے اردو کی ترقی کیلئے کیسے کیسے سامان فراہم کر دیئے۔ اس کے خدمت گزاروں کو کس طرح بے فکری سے سرگرم کار رکھا اور اس کی کتابوں کی طباعت و اشاعت میں کتنی سہولتیں پیدا کر دیں۔ اِن تمام امور کا ذکر آیندہ صفحات میں مندرج رہے گا۔ جن کے مطالعہ سے واضح ہو جائے گا کہ اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کے

عہد حکومت یعنے گذشتہ چوبیس سال کے عرصہ میں اردو زبان اور ادب میں جو غیر معمولی وسعت اور زبردست استحکام پیدا ہوگیا ہے۔ اس کے لئے کم از کم ایک صدی درکار ہوتی اگر آپ کی شاہانہ توجہ اور فیاض سرپرستی شامل حال نہ ہوتی۔

اعلیٰحضرت سلطان العلوم کی اردو نوازیاں

۱- اردو شاعروں اور انشا پردازوں کی قدردانی
۲- اُن انجمنوں اور اداروں کی حوصلہ افزائی جو ترقی اردو کا باعث ہیں
۳- اردو رسائل اور اخبارات کی امداد۔
۴- جامعہ عثمانیہ کی تشکیل۔
۵- دار الترجمہ و تالیف کا قیام۔

(ا)

اُردو شاعروں اور انشا پردازوں

کی

قدردانی

منصب اور رہا ہوا ارباب مصنفین و شعراے حیدرآباد سے باہر

اور حیدرآباد میں

اعلیٰ حضرت کے متقربین۔ دیگر انشا پرداز جو عہد عثمانی

میں سرگرم کار ہیں

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی اردو زبان و ادب کی سرپرستی اور قدر افزائی کے زیر سایہ اردو کے جن خدمت گزاروں کی کوششیں سرسبز و شاداب ہوئیں وہ کئی قسم کے ہیں۔ ان میں سے پہلے ان ادیبوں اور شاعروں کا ذکر ضروری ہے جنہیں تصنیف و تالیف یا شعر و شاعری کے صلہ میں اعلیٰ حضرت نے منصبوں اور ماہواروں سے سرفراز کیا ہے۔ شبلی نعمانی مرحوم اور عبد الحلیم شرر مرحوم جیسے اردو کے زبردست محسنوں نے بھی اپنی وفات تک اعلیٰ حضرت ہی کی قدردانی کی وجہ سے مرفہ الحال زندگی بسر کی اور اردو زبان کو اپنی گراں بہا تحریروں سے مالامال کرتے رہے۔ ان کے جملہ آخری کارنامے عہد عثمانی ہی کی فتوحات ہیں۔ مولوی عبد الماجد دریابادی۔ خواجہ حسن نظامی صاحب، سید سلیمان ندوی صاحب، مولوی ظفر علیخاں اور ان کے بیٹے اختر علیخاں، وغیرہ جیسے متعدد انشاپرداز بھی اعلیٰحضرت ہی کی سرپرستی کی وجہ سے حیدرآباد سے دور اپنے اپنے وطن میں رہکر اردو زبان کی خدمت میں سرگرم ہیں۔ ان سبھوں کی اردو خدمات دنیائے علم میں اچھی طرح روشناس ہو چکی ہیں اور ان میں سے بعض ہستیوں نے تو تاریخ ادب اردو میں مستقل جگہ حاصل کر لی ہے چنانچہ اُن کی تصنیفات اور کارناموں پر اس وقت تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

(۳)

دور عثمانی کے زیر سایہ اردو کی خدمت کرنے والوں کی دوسری قسم اُن حضرات پر مشتمل ہے جو حیدرآباد میں سرگرم کار ہیں۔ نواب فصاحت جنگ جلیل امیر مرحوم کے جانشین اور خانوادہ شاہی کے استادِ سخن ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کو خاطر خواہ ماہوار کے علاوہ خطاب اور دیگر اعزازوں سے سرفراز فرمایا۔ اور آپکے کلام کی بڑی وقعت کرتے ہیں۔ آپ کا کلام ہند و دکن کے رسائل میں اشتیاق سے شایع کیا جاتا ہے اور اس وقت تک اس کے دو چار مجموعے جان سخن اور ریاض سخن وغیرہ شایع بھی ہو چکے ہیں۔

مولوی عبدالوہاب عندلیب اور مولوی عبدالرب کوکب دارالعلوم کے فارغ التحصیلوں میں خاص علمی وادبی حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں کی متعدد تاریخی اور علمی کتابیں شایع ہوچکی ہیں "حمایت الاخلاق" کی تصنیف پر اعلیٰحضرت نے عندلیب صاحب کو پچاس روپیے ماہوار مقرر کردی اور ان کے رسالہ "واعظ" کی بھی سرکار کی جانب سے خاطر خواہ امداد کی جاتی ہے۔ کوکب نے بھی شعر وسخن او تصنیفات کے علاوہ رسالہ "اتالیق" کو خاص اہتمام اور سلیقہ کے ساتھ شایع کیا چنانچہ سرکار سے اسکی بھی امداد کی گئی جس کا ذکر اس کتاب کی تمہید میں گزر چکا ہے

حکیم شمس اللہ قادری حیدرآباد کے مشاہیر انشاپردازوں میں سے ہیں۔ آثار قدیمہ اور تاریخ میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ قدیم تاریخی کتابیں مثلاً تذکرہ مصنفین دہلی تحفۃ المجاہدین اور نظام التواریخ شایع کرچکے ہیں۔ اور خود بھی متعدد کتابیں تصنیف کیں مثلاً تاریخ ملیبار، اور سلاطین معبر۔ دکن کے قدیم اردو ادب کی نسبت بھی ایک کتاب "اردوئے قدیم" تحریر کی جو بہت مقبول ہوئی۔ حکیم صاحب ایک رسالہ "تاریخ" کے مدیر بھی ہیں جس کا ذکر آیندہ آئے گا۔ ان کی تصنیفات کی طباعت کے لئے یکمشت پانچ ہزار روپئے عطا کیے گئے اور ڈیڑھ سو روپیئے ماہوار تاحیات مقرر ہوئی۔

مولوی مختار احمد صاحب نے بھی متعدد کتابیں علمی موضوعوں پر تحریر فرمائیں، اُن کی ایک کتاب قاموس الجغرافی کی طباعت کے اخراجات اعلیٰحضرت کے حکم سے ادا کئے گئے اور ماہانہ سو روپئے منصب سرفراز ہوئی۔

مولوی شمس الدین صدیقی صاحب حیدرآباد کے ایک قدیم لکھنے والے ہیں۔ اب تک متفرق موضوعوں پر پچاس کے قریب رسالے لکھکر شایع کرچکے ہیں جن کے مطالعہ سے ملک کے نوجوانوں کو اپنی قدیم تہذیب اور اخلاق وعادات سے آگاہی ہوتی ہے۔ بعض رسالے جو ملک کی خاص خاص شخصیتوں سے متعلق لکھے گئے ہیں آیندہ تاریخ دکن لکھنے والوں کیلئے نہایت مفید معلومات کا ذخیرہ ثابت ہوں گے۔

(۳)

اس قسم کی شخصیتوں کے علاوہ ایسے ادیب اور شاعر بھی ہیں جو کسی نہ کسی حیثیت سے دربار عثمانی سے

متعلق رہے ہیں۔ اور اس مخصوص حلقہ میں شمار ہوتے ہیں جو اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کے مقربین پر مبنی ہے۔ ان میں مہاراجہ سر یمین السلطنتہ، نواب حیدر نواز جنگ طباطبائی مرحوم، نواب ضیا یار جنگ، نواب صادق جنگ مرحوم اور نواب اختر یار جنگ وغیرہ زیادہ قابل ذکر ہیں۔

مہاراجہ بہادر کی ہستی تو ایک جداگانہ کتاب کا موضوع بن سکتی ہے انھوں نے نہ صرف شمال و دکن کے بیسیوں شاعروں اور انشاپردازوں کی قدر و منزلت کی بلکہ خود ایسی اعلےٰ درجہ کی تصنیفات اور کلام سے اردو زبان کے خزانہ میں اضافہ کیا کہ ان کا نام ہمیشہ نہ صرف حیدرآباد بلکہ ہندستان کے مشاہیر ادب میں شمار ہوگا۔

نواب حیدر یار جنگ طباطبائی مرحوم شاہی اتالیق اور دار الترجمہ کے ناظر ادبی تھے۔ اعلیٰ حضرت انکی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور وہ بھی اس خصوصیت پر تادم زیست نازاں تھے۔ اُن کے جیسا اردو کا محقق، ناقد اور شاعر شاید ہی پھر پیدا ہو سکے۔ ان کی شرح دیوان غالب، تلخیص عروض و قافیہ، اور نظموں اور غزلوں کے مجموعے ان کی زندگی ہی میں شایع ہوکر مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔

نواب ضیا یار جنگ دراصل فارسی کے شاعر ہیں لیکن انکی وجہ سے حیدرآباد کی مجالس شعر و سخن کا معیار نہایت بلند اور سنجیدہ رہا ہے۔ یہ بھی ان چند مخصوص اور قابل رشک ہستیوں میں سے ہیں جنکے ذوق شعر و سخن کے اعلیٰ حضرت بھی معترف ہیں۔

نواب صادق جنگ حلم مرحوم اعلیٰ حضرت کے مقربان خاص سے تھے انکی اردو شاعری اور برج بھاشا کا کلام نہیں دور عثمانی میں اسی طرح ممتاز رکھتے کا جس طرح عبدالرحیم خانخاناں کی شخصیت شہنشاہ اکبر اعظم کے نورتن میں تھی۔ حلم مرحوم کا بھاشا کلام "پیت کی ریت" ابھی شایع ہوا ہے اور اس کے مطالعہ سے جہاں مصنف کا اعلیٰ ملکۂ شاعری ظاہر ہوتا ہے، یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اعلیٰ حضرت کے مخصوص مقربین میں جہاں نواب فصاحت جنگ اور نواب حیدر یار جنگ مرحوم جیسے اردو کے استاد سخن، نواب ضیا یار جنگ جیسے فارسی کے اعلیٰ سخنداں اور سر نظامت جنگ جیسے انگریزی کے بلند پایہ شاعر شامل ہیں،

صادق جنگ مرحوم جیسے برج بھاشا کے بے نظیر کوی بھی موجود تھے

(۴)

اعلیٰ حضرت کے حلقۂ مقربین کے بعد اُن متعدد ادیبوں کا ذکر ضروری ہے جو حیدرآباد میں کسی نہ کسی محکمہ میں ملازم ہیں اور عہد عثمانی کی عام علمی و ادبی فضا سے متاثر ہوکر اردو کی خدمت گزاری میں مصروف ہیں ان میں سے ایسے بھی ہیں جن کی خدمات کا آغاز عہد حضرت غفراں مکاں ہی میں ہوچکا تھا لیکن اس عہد عثمانی کی علم پروری نے ان کے ذوق علم و ادب پر تازیانہ کا کام کیا اور ان کی سرگرمیوں میں برقی رو دوڑ گئی۔ اس قسم کے جو انشا پرداز اور شاعر اس کتاب کی تصنیف سے قبل انتقال کرچکے ہیں۔ اُن میں عزیز جنگ ولا، امیر حمزہ، رضی الدین حسن کیفی، جلال الدین توفیق، محمد مرتضیٰ، غلام مصطفےٰ ذہین، وغیرہ کے نام خاص کر قابل ذکر ہیں اور جو حضرات اب تک بقید حیات اور سرگرم کار ہیں ان میں نواب عزیز یار جنگ، مولوی سید خورشید علی، مولوی عبدالحق، رائے مانک راؤ وٹھل راؤ، راجہ راجیشور راؤ اصغر، حضرت امجد، جناب ضامن کنتوری جناب صفی اورنگ آبادی، بیگم صغرا ہمایوں مرزا، مولوی محمد حسین آزاد، مولوی اعظم اللہ حسینی اطہر، مولوی حبیب الدین صغیر، مولوی ظفریاب خاں، مولوی مودود احمد تشنہ، مولوی عمر یافعی، مولوی آغا حیدر حسن مولوی سردار علی، مولوی نصیرالدین ہاشمی، مولوی علی شبیر، مولوی علی اصغر بلگرامی، مولوی عبدالرزاق بسمل، مولوی عبدالرزاق راشد وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نواب عزیز جنگ ولا، مولوی امیر حمزہ اور مولوی محمد مرتضیٰ متعدد علمی اور تاریخی کتابوں کے مصنف تھے عہد عثمانی میں انکی جو کتابیں شایع ہوئیں ان کی فہرست اس کتاب کے آخر میں مندرج ہے۔ چونکہ عہد عثمانی میں یہ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہے اس لئے انکی اہم کتابیں عہد غفراں مکاں ہی کی پیداوار ہیں کیفی، توفیق، اور ذہین، وہ خاص دکنی شاعر ہیں جنکا کلام اسوقت مقبول خاص و عام ہے، اور شاید ہمیشہ رہے گا۔ کیفی کی جدت آفرینی اور جدید طرز کی نظمیں، توفیق کے تخیل کی بلندی و مطالب کی

گہرائیاں اور ذہین کی پند و موعظت اور بچوں کی نظمیں اُردو شعر و سخن سے دلچسپی رکھنے والوں کو ہمیشہ اپنی طرف متوجہ رکھیں گی۔

(۵)

زندہ شعرا میں حضرت امجد حیدر آبادی کا کلام اور خاص کر رباعیاں نہ صرف حیدر آباد بلکہ تمام ہندوستان میں مشہور و مقبول ہیں۔ عاجزی، آزادی، عرفان اور تصوف کی چاشنی اس کے اہم اجزا ہیں، اور یہی خصوصیات ہیں جو اکثر طبیعتوں کو بھاتی ہیں۔ اُن کی نظموں کے مجموعوں، رباعیات امجد اور خرقۂ امجد وغیرہ کے علاوہ نثر کی بھی دو چار کتابیں مثلاً حج امجد، جمال امجد وغیرہ شایع ہو چکی ہیں اور یہ بھی مطالب کی خاص کیفیتوں اور اسلوب کی بے انتہا سادگی اور لوچ کی وجہ سے اُردو نثر میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

صفی اورنگ آبادی کے کلام کی ابھی پوری طرح اشاعت نہیں ہوی لیکن اخبار و رسائل میں جو غزلیں چھپی ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے استاد کیفی مرحوم کے حقیقی جانشین ہیں۔ اور مخصوص رند مزاجی اور آزادہ روی کی وجہ سے اُنکی غزلوں میں استاد سے زیادہ بے ساختگی اور اصلیت نمایاں ہے اُن کا ہر شعر دل سے نکلتا ہے اور دل تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ اس قدر خاموش اور تنہائی پسند ہیں کہ سوائے سخت اصرار کے کسی مشاعرے میں بھی نہیں جاتے اور نہ کوئی ملازمت اختیار کرتے ہیں۔ حیدر آباد کے متعدد اہل ذوق ان کی شاگردی کے مشتاق ہیں۔ وہ اکثر گریز کرتے ہیں مگر اس کے باوجود اُن کے متعدد شاگرد ہیں۔

عزیز اور اطہر دونوں زیادہ تر فصیح الملک داغ کے رنگ میں طبع آزمائی کرتے ہیں دونوں کا کلام متعدد رسائل و اخبارات میں شایع ہو چکا ہے۔ عہد غفراں مکاں ہی سے انکی شاعری کی شہرت ہے۔ عزیز کا دیوان بھی چھپ چکا ہے۔ اطہر نے معاشرتی ناول بھی لکھے ہیں جو کئی سال قبل نظر سے گزرے تھے۔ مگر وہ غالباً اب تک طبع نہیں ہوئے۔

صغیر اور تشنہ بھی طرز قدیم کے متبع ہیں، اور حیدر آباد کے مشہور شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں،

اول الذکر اپنے استاد میکش تھانوی کی یادگار میں ہر سال ایک شاندار مشاعرہ کیا کرتے اور "بزم رنداں" چھپواتے تھے جو حیدرآبادی مشاعروں کے مجموعوں میں خاص اہمیت رکھتا تھا۔

مولوی محمد حسین آزاد غزلوں کے علاوہ قومی اور فطرتی نظموں کے استاد ہیں۔ ان کے مجموعے (خیالاتِ آزاد دو حصے) شایع ہو چکے ہیں۔ حالی اور اکبر کے رنگ میں انکی بہت سی نظمیں مقبول خاص و عام ہیں۔

جناب ضامن کنتوری نہ صرف شاعر ہیں بلکہ انشا پرداز بھی۔ انہوں نے انگریزی طویل نظموں اور کتابوں کے بعض اچھے ترجمے کیئے ہیں۔ غزلوں کا دیوان (ارتنگ خیال) بھی شایع ہو چکا ہے۔ شعرائے انگریزی کا تذکرہ (ارمغان فرنگ) بھی مرتب کیا ہے۔ رسائل کے مدیر بھی رہے ہیں۔ جن کا تذکرہ اپنی جگہ پر آئے گا۔

(۶)

انشا پردازوں میں مولوی سید خورشید علی اور مولوی عبدالحق اپنے خاص اسالیب اور ادبی ذوق کی وجہ سے نہ صرف حیدرآباد بلکہ ہندستان میں شہرت رکھتے ہیں۔ اول الذکر نے ادبی موضوعوں کے علاوہ تاریخی، اسلامی، اور صنفِ نازک کی نسبت نہایت نفیس مضامین اور کتابیں شایع کیں مگر کچھ عرصے سے حیدرآباد کی معاشرتی اور سماجی زندگی کی اصلاح و تنظیم میں بہت زیادہ منہمک ہیں، دفتری انتظام کے علاوہ کئی قومی اور تعلیمی اداروں مثلاً نظامیہ کلب، حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس، فری میسن لاج، انجمن اسلامیہ بیت المعذورین، [illegible]، انجمن طلبائے قدیم سٹی کالج وغیرہ کے انتظامات زیادہ تر انہی کے سپرد ہیں۔ کئی ادارے ایسے بھی ہیں جو ان کی سرپرستی یا امداد و مشورے کے بغیر زندہ نہ رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ چند سال سے ان کو لکھنے کا موقع کم مل رہا ہے۔ یوں بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود لکھنے کی جگہ اب وہ لکھنے والوں کی سرپرستی اور امداد کی طرف مائل ہیں۔ حیدرآباد کے متعدد نوجوان انشا پردازوں کی قدردانی اور ہمت افزائی کی ہے اور سب ان کے وسیع اخلاق اور ایثار کے معترف ہیں۔

مولوی عبدالحق صاحب کا موضوع زیادہ تر اردو ادب کی تاریخ ہے۔ انہوں نے اس کی نسبت

ابتک سیسوں مضامین اور کتابیں لکھیں مرتب کیں اور چھپوائی ہیں جن کی فہرست اس کتاب کے آخر میں مندرج ہے وہ انجمن ترقی اردو کے معتمد اعزازی ہیں اور اسکی ترقی اور نشو ونما میں اپنی جملہ قوتوں سے کام لے رہے ہیں انکی ادبی خدمات پیہم عمل اور دیرینہ تجربات کی وجہ سے ان کو حیدرآباد کے موجودہ حلقۂ مصنفین میں خاص مرتبہ حاصل ہے اور وہی ایک ایسے انشاپرداز ہیں جو ہمہ تن توجہ کیساتھ انجمن ترقی اردو اور خود اردو ادب کی گراں بہا خدمت انجام دے رہے ہیں۔

رائے مانک راؤ وٹھل راؤ اور راجہ راجیشور راؤ اصغر دونوں حیدرآباد کے مشاہیر انشاپردازوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ اردو زبان اور ادب کی خدمت کرنے میں حیدرآبادی ہندو یہاں کے مسلمانوں کے ہمدوش ہیں۔ لچھمی نارائن شفیق، مہاراجہ چندولال، گردھاری پرشاد باقی، مہاراجہ کشن پرشاد، وغیرہ وہ ہستیاں ہیں جن کے ذکر کے بغیر حیدرآباد کے گذشتہ اردو ادب کی کوئی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔

اسی سلسلہ میں متذکرۂ بالا دو انشاپرداز اور پھر راجہ تیج رائے، رگھوناتھ رائے ورد، جانکی پرشاد، راجہ گردھاری داس، اور رجے شنکر راؤ وغیرہ کے نام بھی قابل ذکر ہیں، ان سبھوں نے اپنی شعروشاعری، کتابوں او مضامین کے ذریعہ سے اردو کی ناقابل فروگزاشت خدمات کی ہیں۔

مانک راؤ وٹھل راؤ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں لیکن ان کی "بستان آصفیہ" حیدرآباد کے عہد جدید کی تاریخ کی حیثیت سے ایک مفید اور دلچسپ کتاب ہے۔ اسکے سات حصے اسوقت تک شایع ہوچکے ہیں۔ راجیشور راؤ اصغر کو فن زبان اور لغت سے زیادہ دلچسپی ہے۔ ان کی بھی متعدد کتابیں شایع ہوچکی ہیں۔

(۷)

بیگم صغرا ہمایوں مرزا حیدرآباد میں عورتوں کی تعلیم و تربیت و نشو ونما کیلئے عرصہ سے سرگرم رہی ہیں انہوں نے اس موضوع پر کئی کتابیں اور مضامین شایع کئے ان کے سفرنامے بھی دلچسپ ہیں۔ ان کے رسالہ "النساء" کا ذکر اپنے موقع پر مندرج ہوگا۔

مولوی ظفر یاب خاں اور مولوی عمر یافعی دونوں تحقیقی اور تنقیدی مضامین کے ذریعہ سے اُردو ادب کی خدمت کر رہے ہیں انہوں نے حیدر آباد کی رسائلی دنیا میں بھی نہایت مفید خدمات انجام دی ہیں جنکا ذکر دوسری فصل میں شامل رہے گا۔ عمر یافعی صاحب کے خانگی کتبخانہ کی دور دور تک شہرت ہے اور یہ خاص بات ہے کہ اکثر انشا پرداز اس سے مستفید بھی ہو سکتے ہیں۔

آغا حیدر حسن صاحب کے کتبخانہ میں بھی بیش بہا کتابیں موجود ہیں اور اُن کا خلوص و ایثار بھی ضرب المثل ہے، دکنی لغت کی ترتیب میں مشغول ہیں اور تحقیقی مضامین کے علاوہ اپنے مخصوص اسلوب کی انشا پردازی کی وجہ سے اقصائے ہندستان میں مشہور ہیں۔ دہلی کی بیگمات کی زبان میں اُنکے جیسا کوئی لکھنے والا نہ ابتک پیدا ہوا ہے اور نہ آیندہ ہو سکتا ہے

مولوی سردار علی اور مولوی نصیر الدین ہاشمی بھی تاریخی اور تنقیدی انشا پرداز ہیں۔ اول الذکر کی تصانیف یورپ میں شعرائے اردو، اورنگ آبادی شعراء وغیرہ تاریخ ادب اردو میں اضافے ہیں۔ انکے رسالہ التجلی کا ذکر آگے آئے گا۔ ہاشمی صاحب کے موضوع مختلف ہیں۔ اردو ادب کے متعلق انکی تصانیف دکن میں اردو، یورپ میں دکنی مخطوطات، اور حضرت امجد کی شاعری مشہور ہو چکی ہیں۔ سفر نامہ یورپ بھی چھپ چکا ہے۔ ہاشمی صاحب انجمن ثمرۃ الادب کے معتمد تھے جسکا ذکر آگے آئے گا۔

علی شبیر صاحب اور علی اصغر صاحب دونوں کو تاریخ اور آثار قدیمہ کا ذوق ہے۔ اول الذکر کی کتابیں اور مضامین تاریخ غلاف کعبہ، تاریخ سنگ اسود، اور حجاز کے فرنگی سیاح وغیرہ اردو میں اپنے موضوع کی خاص کتابیں ہیں۔ موخر الذکر کی کتابیں حیدرآباد کے آثار قدیمہ سے متعلق اپنے موضوع پر مستند سمجھی جاتی ہیں۔

عبدالرزاق بسمل اور عبدالرزاق راشد اپنے ادبی ذوق کی وجہ سے مشہور ہیں۔ اول الذکر کے رسالہ شہاب کا ذکر آیندہ آئے گا موخر الذکر اپنے تنقیدی اور اصلاحی مضامین کے ذریعہ سے اُردو کی خدمت میں کوشاں ہیں۔

ان کے علاوہ عہد عثمانی کے اور متعدد شاعروں اور انشا پردازوں کا ذکر اس کتاب کے دوسرے حصہ میں مندرج ہوگا کیونکہ وہ یا تو جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر، مترجمین و مولفین اور طلبہ ہیں، یا پھر وہ اشخاص ہیں جن کی انشا پردازی گذشتہ پندرہ سال کے اندر وجود میں آئی، یا جنہوں نے قیام جامعہ عثمانیہ کے بعد تصنیف و تالیف شروع کی۔

۲

ایسی انجمنوں اور اداروں کی قدر افزائی

(جو)

ترقی اردو کا باعث ہیں

اعلیٰ حضرت کی علمی دلچسپی اور قدر دانی کا احساس

انجمن طلبۂ قدیم دار العلوم — جشن جوبلی دار العلوم

حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس — انجمن ثمرۃ الادب

مجلس اشاعت العلوم — انجمن اسلامیہ

انجمن ترقی اردو

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی تخت نشینی نے ملک میں ایک نئی چہل پہل پیدا کردی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابنائے ملک کی خوابیدہ اور افسردہ قوتیں از سر نو بیدار اور شگفتہ ہوگئیں۔ عہد رفتہ کے آخری دور میں جو کچھ جمود پیدا ہو چلا تھا وہ ہیجان سے بدل گیا۔ محکمۂ تعلیمات کی اصلاح و ترقی کی تجاویز کا بن بن کر بگڑنا، قیام جامعہ کی تحریکات کا بار بار ناکام رہنا، سر رشتۂ علوم و فنون کی شکست و ریخت، دارالعلوم کی ترقی معکوس، حکام کی سازشیں، انگریزی اثرات، اور ساتھ ہی طغیانی اور قحط کی بربادیاں ـ یہ تمام امور جہذب سے مہذب ملک اور اعلیٰ سے اعلیٰ دماغوں کی پستی اور ہمت شکنی کیلئے کافی ہیں! یہی وجہ ہے جو ہم دیکھتے ہیں کہ اس جواں بخت اور جواں سال حکمراں کی تخت نشینی کے ساتھ ہی تمام ملک میں بوڑھوں میں بھی جوانی کی امنگیں موجوں کی طرح لہرانے لگیں! اور جہاں اہل علم و فضل اور شاعروں اور انشا پردازوں کی انفرادی کوششوں میں نئے سر سے جان پڑ گئی۔ ابنائے ملک میں اجتماعی سرگرمیوں اور تنظیم کار کا سلیقہ بھی پیدا ہو گیا۔

تخت نشینی کے ساتھ ہی اعلیٰ حضرت اقدس کی مستعدی، علمی سرپرستی، اور قدردانی عام طور پر محسوس کی جانے لگی۔ چنانچہ اس احساس کے دو چار ثبوت یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ تخت نشینی کے تیسرے ہی سال یعنی ۱۳۳۳ھ میں جب حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کا پہلا اجلاس ہوتا ہے تو اس کے لئے مولوی محمد مظہر "تعلیم حیدرآباد" پر ایک تحقیقی مقالہ تیار کرتے ہیں جس میں عہد گذشتہ کی تعلیمی اصلاح و ترقی کی ناکامیوں کے اسباب وغیرہ کا تذکرہ کرکے لکھا ہے کہ:۔

"تعلیم کی ترقی کا زمانہ قسمت نے ہمارے ہر دلعزیز، روشن ضمیر، بلند خیال، عالی دماغ، رعایا نواز، فرمانروا اعلیٰ حضرت بندگان عالی میر عثمان علی خاں بہادر مدظلہ العالی متعالی کے بابرکت دور میں مقرر کر دیا تھا اور اب اس کا زمانہ آ گیا ہے۔ (روئداد کانفرنس صفحہ ۱۲۸)

اسی کانفرنس کی اختتامی تقریر میں اس کے صدر سر حیدر نواز جنگ بہادر نے بھی اعلیٰ حضرت کی علمی قدر دانی اور ذاتی دلچسپی کی نسبت حسب ذیل خیال ظاہر کیا جو کانفرنس کی کامیابی اور اسکے مستقبل کے سلسلہ میں مندرج ہے :-

"لیکن حضرات! اس تمام کامیابی، اس تمام چہل پہل، اس تمام رونق کی اصل کیا ہے؟ یہ صرف اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ کے مراحم خسروانہ و الطاف کریمانہ کے بدولت ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ہمیں اس کانفرنس کے انعقاد کی اجازت عطا فرمائی۔ یہ خوبصورت ہال عطا فرمایا۔ اور اضلاع سے جو عہدہ دار و ملازمین شرکت کانفرنس کیلئے تشریف لائے ہیں اُن کے ساتھ یہ رعایت فرمائی کہ یہ دن انکی رخصت میں شریک نہ ہونگے"

(روئداد کانفرنس صفحہ ۲۲۶)

اسی طرح دوسری ایجوکیشنل کانفرنس میں صدر نشین مجلس استقبالی مولوی سید غلام جبار نے اپنے استقبالیہ خطبہ میں کہا کہ :-

"حضرت اقدس اعلیٰ کو ہمارا ایسا خیال ہے کہ آپ نے بہ کمال مراحم خسروانی مولوی حبیب الدین صاحب کو فرمایا کہ تم جاؤ ہماری رعایائے سمت اورنگ آباد اپنی اصلاح و فلاح اور ترویج علوم و اشاعت فنون کی فکر و تدبیر کے واسطے اورنگ آباد میں کانفرنس کرنے والی ہے اُس کے صدر نشین ہو۔ اور اس پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ تمام اپنے ملازمین اور عمائد اور اراکین دولت کو عام اجازت فرمائی کہ جو اس کانفرنس میں جائے اُس کے ایام ایاب و ذہاب معاف۔ رخصت اتفاقی میں محسوب نہ ہوں (روئداد کانفرنس صفحہ ۱۵)

اور اس جلسہ میں مولوی حبیب الدین مرحوم صدر محاسب سرکار عالی نے اپنے خطبۂ صدارت میں حیدر آباد کی تعلیمی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ بیدار مغز علم دوست بادشاہ معظم اعلیٰ حضرت قدر قدرت نواب میر عثمان علیخان بہادر فرمانروائے دکن صانہا اللہ تعالےٰ عن الشرور والفتن کی تاریخ مسند نشینی سے ترقیٔ تعلیم کا ایک

نیا آفتاب جلوہ گر نہیں ہوا ہے۔

حضور اقدس نے اپنی رعایا برایا کی ترقی تعلیم کے مسئلہ کو اپنے اصول حکمرانی کا ایک اہم مسئلہ تصور فرمایا ہے۔ حضرت بندگانِ عالی کی تخت نشینی سے چار سال آگے یعنی من ابتدائے ۱۳۱۷ف لغایتہ ۱۳۲۰ف ریاست ابد مدت کے سررشتۂ تعلیمات کا صرفہ چونتیس لاکھ اڑتیس ہزار تھا اور مسند نشینی کے چار سال بعد پینتالیس لاکھ چھیاسی ہزار روپئے صرف ہوئے۔ یعنی چار سال کے عرصہ میں گیارہ لاکھ اڑتالیس ہزار روپیہ زائد صرف ہوا ہے۔ غرض سررشتۂ تعلیم کی طرف حضرت اعلیٰ کی توجہ خاص مبذول ہے۔ جس کے عمدہ نتائج ہر طرف ہویدا و پیدا ہیں" (روداد کانفرنس صفحہ ۳۰)

مولوی حبیب الدین مرحوم کے اس بیان کی تصدیق ایک سال بعد اسی کانفرنس کے تیسرے سالانہ اجلاس میں نواب عماد الملک مرحوم نے اپنے خطبۂ صدارت میں کی، اور فرمایا کہ :-

"اگر اس عہد معدلت مہد میں جب کہ ہم پر ایسے ظل اللہ کا سایہ پڑ رہا ہے جو ہمہ تن اور ہر وقت اپنی رعایا کی صلاح و فلاح کی فکر میں مصروف ہیں اور کوئی تجویز، کوئی استدعا، کوئی گزارش خصوصاً تعلیمی معاملات کے متعلق جس میں واقعی اور درست طور پر اہل ملک کی بہتری کی امید ہو، کبھی رد نہیں ہوتی، آپ کی کانفرنس ملک میں تعلیم کا شوق اور اہل ملک میں اپنی اصلاح کا مذاق نہ پیدا کر سکے تو سمجھ لیجئے کہ بجز ہماری شومی قسمت کے اور کوئی اسکا ذمہ دار نہیں (روداد کانفرنس صفحہ ۱۱)

غرض دو تین سال کے اندر ہی اہل ذوق مجبور ہو گئے تھے کہ اعلیٰ حضرت کی ان سرپرستیوں سے بہرہ مند ہوں۔ اس داد و دہش پر سب سے پہلے لبیک کہنے کا سہرا دار العلوم کے تعلیم یافتہ افراد کے سر ہے جن کی علمی و عملی جد و جہد گزشتہ عہد ہی سے جاری تھی مگر جیسا کہ ابھی لکھا گیا انکی بہت سی خواہشیں دل کی دل ہی میں رہ گئی تھیں۔ چنانچہ اس عہد زرین سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے سب سے پہلے انجمن طلبۂ قدیم دار العلوم کے قیام سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔

(۲)

اعلیٰ حضرت کی تخت نشینی کے دو سال بعد ہی ۴ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ کو محمد مرتضیٰ مرحوم و ملا عبد الباسط صاحب وغیرہ کے باہمی مشورہ کے بعد دار العلوم کے چند قدیم طلبہ کے نام حسب ذیل رقعہ دعوت اول الذکر کی جانب سے روانہ کیا گیا

"مدتوں سے اس امر کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ دار العلوم کے قدیم طلبہ کی کوئی انجمن مثل بلاد متمدنہ کی مشہور درسگاہوں کے، قائم کی جائے جس سے پرانے طلبہ میں باہمی رابطۂ اتحاد قائم رہے اور اس باہمی میل جول سے علمی تازگی و ترقی کا وہ اثر قائم ہو جائے جس سے قومیں زندہ ہوتی ہیں ایسی انجمن کے قیام کی غرض سے ایک جلسہ بتاریخ ۹ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ روز دوشنبہ وقت پانچ ساعت شام بمکان مولوی مصطفےٰ صاحب واقع روبروئے مکان ملا عبد القیوم صاحب مرحوم قرار پایا ہے امید کہ وہ خلوص جو آپ کو دار العلوم کے ساتھ ہے اس دعوت میں کھینچ لائے گا۔"

اس دعوت نامہ کے بعد طلبۂ قدیم دار العلوم کے دو چار جلسے ہوئے اور ان جلسوں میں جہاں اس انجمن کی تشکیل ہوئی "حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس" کے انعقاد کا بھی خیال پیدا ہوا جس کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا یہ انجمن حیدرآباد کی اردو زبان اور ادب کی ترقی کے ساتھ اگرچہ کوئی راست تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن اس خصوص میں اس نے بہت اہم خدمات انجام دی ہیں۔ اس کے قریب قریب جملہ اراکین اردو کے اچھے انشا پرداز اور شاعر تھے اور انہوں نے اپنی اردو تصنیف و تالیف، تقاریر اور نظموں کے ذریعہ سے حیدرآباد کے ذوق اردو میں قابل مبارکباد اضافہ کیا، اور نہ صرف یہی بلکہ اردو کے سرچشمۂ علوم و فنون جامعہ عثمانیہ کے قیام کے لئے بھی ہر طرح سے کوشش کی، اور خود بھی اردو تالیفات کا ایک سلسلہ قائم کیا اس انجمن کے ضابطہ میں سے اس کے مقاصد سے متعلق دو تین اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن سے واضح ہوگا کہ اس کے بانیوں کو حیدرآباد کی علمی ترقی سے کس قدر شغف تھا۔

(۱) پرانے طلبہ میں باہمی ایک رابطۂ اتحاد قائم کرنا جس سے علمی ترقی میں مدد ملے اور زندہ دلی پیدا ہو

ب۔ دارالعلوم کے یونیورسٹی کے درجہ پر پہنچنے کی کوشش کرنا۔ سرکار عالی کو مسائل تعلیمی متعلقہ دارالعلوم میں اپنی رائے سے آگاہ کرنا۔

ج۔ ایک علمی سوسائٹی قائم کرنا۔

د۔ دارالعلوم کی قدیم روایات کو برقرار رکھنے کیلئے ہر قسم کے وسائل فراہم کرانا مثلاً تاریخ مرتب کرانا مدرسین سابق وطلبۂ نامور کے تصانیف کی حفاظت واشاعت کا مناسب اہتمام۔

کارکنان انجمن اور خاص کر محمد مرتضیٰ مرحوم قابل ستائش ہیں کہ انہوں نے اپنے قریب قریب جملہ مقاصد میں کامیابی حاصل کی۔ اس حقیقت حال سے کون انکار کرسکتا ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے قیام سے پہلے حیدرآباد کی اکثر علمی سرگرمیاں اور ادبی جدوجہد انہی ارباب ہمت سے وابستہ تھی۔ انہی کی زندہ دلی سے دارالعلوم کی ساٹھ سالہ جوبلی نہایت خوش اسلوبی اور جوش وخروش کے ساتھ منائی گئی اور یہ غالباً حیدرآباد میں اپنی قسم کا پہلا علمی اجتماع تھا۔ انہی کی پے درپے صداؤں اور تحریکات نے جامعہ عثمانیہ اور دارالتالیف وتراجم کے قیام میں مدد دی۔ انہی کی سرگرمیوں نے حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس جیسے مفید اور اہم ادارے کی بنیاد ڈالی، اور انہیں نے حیدرآباد میں سب سے پہلے خانگی سلسلۂ تالیفات اردو قائم کرکے ملک میں نظیر پیدا کی۔ انجمن طلبۂ قدیم کے ان سب کارناموں کا ذکر اپنے اپنے موقعوں پر تفصیل کے ساتھ پیش ہوگا۔

اسکی سالانہ رپورٹوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس انجمن نے ہر سال اپنے دائرہ عمل میں اضافہ کیا تعلیمی وظائف کے اجرا، مشرقی اسناد رکھنے والوں کیلئے انگریزی تعلیم کا انتظام، اور محکمہ تعلیمات کے مروجہ نصاب تعلیم کی نظر ثانی واصلاح کے علاوہ اس انجمن نے جامعہ عثمانیہ کی ضرورت اور قیام کی نسبت بار بار حکومت کو توجہ دلائی اور جب جامعہ قائم کی جانے لگی تو اسکی تشکیل اور انتظامات کی نسبت اپنی رائے سے ارباب متعلقہ کو آگاہ کیا۔ مثلاً ۱۳۲۲ف کی رپورٹ سالانہ میں مندرج ہے کہ:۔

سال گذشتہ جب ہم جمع ہوئے تھے عثمانیہ یونیورسٹی کی نوید جاں فزا ہمارے لئے فردوس گوش بنا رہی تھی اور اس موقعہ پر ...... انجمن نے استدعا کی تھی کہ ضرورت ہے کہ ضوابط یونیورسٹی مرتب ہو جائیں جو جلد بآسانی ہو سکتے ہیں مجلس انتظامی نے جو کچھ کیا ہے اس کا تذکرہ اس موقع پر کیا جاتا ہے... مجلس انتظامی نے ۲۴ امرداد ۱۳۲۹ف کو سرکار میں امور ذیل کے متعلق توجہ دلائی۔ (۱) یونیورسٹی کی تمہیدی مجلس میں متحرجیں دارالعلوم کا حصہ ہونا چاہیئے (۲) تراجم کا کام جو یونیورسٹی کیلئے روح رواں ہے، فوراً بذریعہ اعلان کرایا جائے جو برٹش انڈیا کے صوبہ متحدہ وغیرہ میں کامیاب ثابت ہوا۔

اس کے بعد جب عملی طور پر یہ معلوم ہوا کہ یونیورسٹی کا اثر سب سے پہلے اس طور پر نمودار ہوا ہے کہ عالم دوبیر کی جماعتوں کو توڑ کر ایک نئی جماعت بنام میٹرک قائم کی گئی ہے تو انجمن نے ۸ مہر.... کو نہایت تفصیلی طور پر رائے عام کا اظہار کیا کہ دفعتہً بغیر قیام سینٹ و سنڈیکیٹ ایسا انقلاب.... پسندیدہ نہیں ہے ...... یہ طریقہ نہ صرف عام اصول تبدیلی نصاب کے خلاف ہے بلکہ اس سے نصاب مجریہ سرکار عالی کی خلاف ورزی ہوتی ہے......

انجمن کے توجہ دلانے پر جو جماعت بند کر دی گئی تھی وہ پھر کھولی گئی...... اس ابتدائی تحریک پر پھر توجہ دلائی گئی کہ تمہیدی مجلس میں متحرجین دارالعلوم کا حصہ ہونا اس لحاظ سے ضروری ہے کہ فرمان اعلیحضرت کا منشا یہ ہے کہ اس یونیورسٹی میں قدیم علوم کو انکا واجبی حصہ دیا جائے.... بلحاظ یونیورسٹی ہائے یورپ شعبہ واری کا اصول قائم ہونا چاہیئے۔ جملہ مضامین کا لازمی ہونا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا.... بہرکیف شدید ضرورت ہے کہ اولاً سینٹ قائم ہو جس کے بعد نصاب ناہبین خلایق و ماہرین فن کے متحدہ غور و فکر کے بعد صحیح طریقہ پر مقرر ہو سکتا ہے۔"

یہ ایک نہایت طویل تبصرہ ہے ہم نے جگہ جگہ سے چند ضروری جملے منتخب کر لئے ہیں۔ اس طرح اس کے بعد دوسرے سال بھی جامعہ کی نسبت مجلس انتظامی نے چند امور کی طرف توجہ دلائی جن کا خلاصہ یہ ہے :-

"۱۔ حسب منشور واجب الامضاء جلد سے جلد جملہ مجالس موعودہ کا قیام عمل میں آئے تاکہ تمام انتظامات باحسن وجوہ جلوہ گر ہوں۔

۲۔ تمام مجالس جامعہ میں کافی نیابت انجمن کی رہے۔ جسکی دردمندانہ صدائے طلب نے سحاب مرحمتِ عثمانی سے سیرابی کا موقع بخشا۔

۳۔ کامیابان سابق دار العلوم، و نظام کالج، وحیدر آباد کالج بھی عثمانیہ یونیورسٹی کے رجسٹرڈ گریجویٹ میں شمار ہوں۔" (رپورٹ مطبوعہ بابتہ ۱۳۲۷ف صفحہ ۲)

انجمن نے ۱۳۲۸ف میں بھی بعض ضروری امور کی طرف ارباب جامعہ کو متوجہ کیا تھا۔ جن میں سے چند کا اجمالی تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

"شعبۂ دینیات کی اسکیم منظور ہو چکی ہے..... لیکن ابھی تک عملاً نافذ نہیں ہوی ہے...... انجمن کو اس اظہار میں کوئی تامل نہیں ہے کہ منجانب سررشتۂ تعلیمات اس جانب ایسی توجہ مبذول نہیں کی گئی جو شعبہ آرٹس کی جانب کی گئی۔

سینٹ جو یونیورسٹی کی جان ہے اس کے ارکان بارگاہ خسروی سے نامزد فرمائے گئے ہیں لیکن اس وقت تک اس کا کوئی اجلاس منعقد نہیں ہوا ہے۔ منشائے یونیورسٹی پورا ہونے کے لئے ضرورت ہے کہ جلد سے جلد سینٹ کے جلسے منعقد ہوں اور وہ تمام کام جو اس وقت تک ہو رہا ہے ایک باقاعدہ علمی طریقہ پر آجائے۔" (رودادِ انجمن صفحہ ۲ و ۳)

دار التالیف و ترجمہ کی نسبت بھی انجمن نے ایک سے زیادہ مرتبہ ارباب متعلقہ کو نیک مشورے دیئے ۱۳۲۶ف کی تحریک کا ذکر کہ "تراجم کا کام بذریعۂ اعلان کرایا جائے"۔ اوپر گذر چکا ہے۔ اس کے ایک سال بعد پھر انجمن نے توجہ دلائی کہ:۔

"تراجم اور وضع اصلاحات کے کام میں جس قدر دائرہ عمل وسیع اور اوس کی تفصیلات سے خلائق کو واقفیت کا

موقع دیا جائے گا اس قدر اس کام کی مضبوط و مستحکم بنیاد ہو گی"

ان تمام تجویزوں اور مشوروں کے اقتباسات ہم نے خوف طوالت کے باوجود صرف اسلئے نقل کئے ہیں کہ آج عام طور پر اس واقعہ کا علم نہیں ہے کہ جامعہ عثمانیہ کی ابتدائی منازل تشکیل و تنظیم میں اس انجمن کے سرگرم کارکنوں کے جوش اور خلوص کو کس قدر دخل ہے، اور یہ کہ جب جامعہ قائم کی گئی تو ملک میں اسکو سمجھنے اور اس کی خدمت کرنیکی کیسی قابلیتیں موجود تھیں۔

آخر میں اس انجمن کے "سلسلۂ تالیفات اردو" کی طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے جسکا آغاز ۱۳۳۶ف میں کیا گیا۔ چنانچہ اس سال کی سالانہ رپورٹ میں محمد مرتضیٰ مرحوم نے لکھا ہے کہ :۔

"انجمن کا ایک سلسلۂ تالیف قایم کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے بتقریب جلسۂ اصلاحانہ "بزم انجم" کا رسالہ شایع کیا گیا۔ اس کے بعد "سوانح مصطفوی" اور "اخلاق رسالت پناہی" کے رسالے شایع کئے گئے ہیں جن کو سررشتہ تعلیم نے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کوشش کی جائے تو اپنا دلن بلدہ میں علمی مذاق کی اشاعت میں کہاں تک کامیاب ہو سکتے ہیں۔"

انجمن کا یہ کارنامہ نہایت قابل قدر تھا۔ اسکی آٹھ دس مطبوعات میں تذکرۂ ملا عبدالقیوم اور حالات مولوی محمد باقر آگاہ کے علاوہ بزم انجم مصنفہ مولوی فاضل محمد عبدالرب صاحب کوکب اہم اور دلچسپ ہے اردو زبان میں علم ہئیت پر ایسے عام فہم رسالہ کی سخت ضرورت تھی۔ اسکی خوبی یہ ہے کہ جملہ ضروری اور اعلیٰ معلومات کے ساتھ زبان ایسی رواں اور اسلوب اسقدر دلچسپ ہے کہ مدرسوں کے طالب علم بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کتاب کی تمہید میں انجمن کے شریک معتمد مولوی عبدالوہاب صاحب عندلیب نے بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ "علم ہئیت ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا ایک بھولا ہوا علم ہے۔ عربوں نے اس علم میں جس قدر ترقی کی تھی، اور ہندوستان قدیم نے جو دلچسپی لی تھی، اوراق تاریخ ان سے بھرے پڑے ہیں۔ لیکن آج کل عموماً دونوں قومیں اس علم کے نکات سے ناواقف اور رصد خانہ کی اہمیت سے لاعلم

پائی جاتی ہیں۔ چونکہ علوم و فنون کی ترقی کی کوشش انجمن طلبہ قدیم دار العلوم کا ایک بڑا مقصد ہے۔ اس لئے علم ہیئت کا یہ قابل قدر رسالہ جسکو فاضل مولف نے انجمن کی خواہش پر تالیف فرمایا ہے شایع کیا جاتا ہے۔ امید کہ انجمن کی اس کوشش خاص کی قدر فرمائی جائے گی۔"

(۳)

اس انجمن کے سلسلہ میں دار العلوم کی ساٹھ سالہ جوبلی کا ذکر بھی ضروری ہے۔ جسکی بنیاد اور کامیابی کا سہرا بھی اس انجمن کے کارکنوں کے سر ہے۔ اس مشہور و معروف جوبلی کو بھی حیدرآباد کی ترقی اردو سے ایک گونہ تعلق ہے۔ کیونکہ اس نے جہاں اہل ملک کو محسوس کرایا کہ انکی اجتماعی کوششیں سرخرو ہو سکتی ہیں جامعہ عثمانیہ کے قیام کے لئے بھی رائے عامہ اور ساتھ ہی صاحب رائے افراد کی نہایت خوش اسلوبی سے نیابت کی جشن جوبلی منانے کا احساس بھی اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی بیدار مغزی اور علمی دلچسپی ہی کی وجہ سے پیدا ہوا۔ کیونکہ گذشتہ مایوسیوں کے بعد جب آفتاب امید طلوع ہوا تو افسردہ دلوں میں سرگرمی پیدا کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ کوئی اس طرح کا غیر معمولی محرک پیدا کیا جائے۔ چونکہ ۱۴ رجمادی الاول ۳۲ھ سے انجمن طلبہ قدیم دار العلوم کے قیام کی کارروائیاں شروع ہو چکی تھیں اس لئے ۲۰ رجب ۳۲ھ کو اخبار صحیفہ نے دار العلوم کی ساٹھ سالہ جوبلی منانے کی طرف توجہ دلائی۔ جسکی بنا پر ۲۴ رجب کو اس درسگاہ کے قدیم طلبہ کے علاوہ قادر حسین خاں صاحب ام اے (حال ناظم معلومات عامہ) محمد عبد المنعم صاحب بی اے (حال مددگار معتمد فینانس) مرزا محمد علی صاحب بی اے (حال نائب ناظم جنگلات) وغیرہ نے بھی شرکت کی۔ یہ شاید پہلا مرتبہ تھا کہ مشرقی و مغربی تعلیم یافتہ اصحاب ایک جگہ جمع ہوئے۔ عبد الرحمن خاں صاحب بی اے (حال صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ) اور سید محمد حسین صاحب بی اے۔ (حال نائب ناظم تعلیمات) نے بھی اس کام سے پوری ہمدردی ظاہر کی۔

جب یہ قرار پا گیا کہ جوبلی منائی جائے تو ایک خاص کمیٹی فراہمی چندہ اور دیگر انتظامات کیلئے

قائم ہوئی۔ ان انتظامات میں دارالعلوم کے جن قدیم طلبہ نے زیادہ حصہ لیا اُن میں محمد مرتضیٰ مرحوم معتمد کے علاوہ مرزا محمد بیگ صاحب (حال اول تعلقدار نظام آباد) خواجہ فیاض الدین صاحب (حال اول تعلقدار آبکاری) اسداللہ صدیقی صاحب (حال صدیق یار جنگ بہادر رکن عدالت العالیہ) اکبر علی صاحب مدیر صحیفہ، محمد مظہر صاحب، ملا عبدالباسط صاحب، اور عبدالوہاب عندلیب صاحب وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ آخر کار ۲۴ شوال ۱۳۳۲ھ کو نہایت کامیاب جلسہ منعقد ہوا جسکی صدارت نواب سالار جنگ ثالث میر یوسف علی خاں بہادر مدارالمہام وقت نے کی اور جس میں نواب فخر الملک بہادر معین المہام اور جملہ ارباب تعلیمات، اور دیگر سررشتوں کے عہدہ دار بھی موجود تھے جلسہ میں جوبلی کمیٹی کی مرتبہ "تاریخ دارالعلوم" سنائی گئی، وظائف تعلیمی مقرر کئے گئے جس کے لئے محمد اکبر علی صاحب مدیر صحیفہ نے ایک ہزار کا عطیہ دیا، دارالعلوم کی نسبت اصلاحی تجاویز کا ذکر کیا گیا، اور ایک مشرقی جامعہ کے قیام کی تحریک اس طرح کی گئی کہ "ہمارے ملک میں دارالعلوم قائم ہے، جس کے امتحانات ہمارے ہی ہاتھ میں ہیں۔ ضرورت ہے کہ انکی بنا مستحکم طور سے قائم ہو یا بالفاظ دیگر نظام یونیورسٹی قائم کی جائے۔ مشرقی یونیورسٹی قائم ہونے کے لئے حیدرآباد میں کسی قسم کی کوئی دقت نہیں ہے۔ ایک ایسی مجلس کا قیام جو سنڈیکیٹ کے فرائض عملاً انجام دے بالکل سہل و آسان ہے۔ جس کا دائرہ بتدریج وسیع ہوگا۔" چنانچہ اس تحریک کو مدارالمہام نے منظور کیا۔ اور اس کے سال دو سال بعد ہی جامعہ عثمانیہ کا قیام بھی عمل میں آیا۔

(۴)

اس جوبلی کی رونق چہل پہل اور کامیابی کی وجہ سے اہل ملک در خاصکر طلبۂ قدیم دارالعلوم کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور اب انہوں نے ایجوکیشنل کانفرنس کے انعقاد کی طرف ہمہ تن توجہ کی۔ جسکا خاکہ خود انجمن طلبۂ قدیم کی تشکیل کے ساتھ بن چکا تھا اور جس کے لئے ۴ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ کو

ایک تفصیلی اپیل حامیانِ تعلیم و بہی خواہانِ وطن کی خدمت میں روانہ کی گئی تھی۔ اس اپیل میں کانفرنس کے قیام کی ضرورت اور اس کے مقاصد وغیرہ کی نسبت وضاحت کی گئی تھی اور آخر میں اس کا پروگرام بھی درج تھا۔

کانفرنس کے تین مندرجہ مقاصد کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ قلمرو آصفیہ میں کم از کم ایک علمی سوسائٹی تو ایسی ضروری ہے جو اس قلمرو کی جغرافی، تاریخی، ادبی تحقیقات کو وقتاً فوقتاً علمی دنیا کے روبرو پیش کرے۔ اور باشندگان قلمرو میں علمی تحقیقات کا ذوق شوق پیدا کرے۔ اُن کی مادری زبانوں کو علوم و فنون کے سرمایہ سے مالا مال کر دے جس کے بغیر یہ طے شدہ ہے کہ کوئی ملک حقیقی ترقی نہیں کر سکتا۔

۲۔ اشاعت تعلیم کی کوشش۔ ایک کانفرنس کے ذریعہ سے مختلف شہروں اور قصبوں میں تعلیمی ہل چل پیدا اور توسیع دائرہ تعلیم پیدا کرے۔

۳۔ پبلک خود اپنی ضرورتوں پر غور کر کے تعلیم کی اصلاح کرے۔

ان مقاصد کے حصول کیلئے جو پروگرام کانفرنس کے مدنظر قرار دیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

الف۔ اردو زبان میں علوم و فنون کے تراجم کئے جائیں جنکی قلمرو آصفیہ میں سخت ضرورت ہے

ب۔ حیدرآباد کی تاریخ و جغرافیہ کے متعلق بکثرت تصانیف اردو میں مرتب کرائے جائیں

ج۔ نصاب تعلیم کا ایک عمدہ سلسلہ جو د کانفرنس اردو میں مہیا کرے گی۔ کیونکہ جب تک ملکی زبان میں تعلیم کی بنیاد مستحکم نہ ہوگی ترقی ملک کی امید بے سود ہے۔

د۔ ادنے سے لیکر اعلےٰ تعلیم تک سلسلہ قائم کرائے گی اور کوشش کرے گی کہ اعلیٰ تعلیم خود اپنے ہاتھ میں ہو جو نظام یونیورسٹی کے وجود پر منحصر ہے۔ کانفرنس اس کے متعلق پوری کوشش عمل میں لائے گی۔

ط۔ یونیورسٹی کے قیام کی تحریک (جسکی تفصیل عنوان قیام جامعہ عثمانیہ کے سلسلہ میں مندرج رہے گی)

ی۔ تعلیم زراعت کی طرف توجہ

ز۔ تعلیم طب کی طرف توجہ

ح۔ تعلیم صنعت و حرفت و تجارت کی طرف توجہ وغیرہ۔

ظاہر ہوتا ہے کہ کانفرنس کے مقاصد اور پروگرام میں اردو زبان کی ترقی و اشاعت کے لئے نہایت غور و خوض کے بعد مفید ترین طریقے پیش کئے گئے۔

اس کانفرنس نے حیدرآباد کی تعلیمی اصلاح و ترقی اور دیگر ضروری امور کیلئے جو کوششیں اور کامیابیاں حاصل کیں۔ انکا ذکر ہمارے موضوع سے باہر ہے۔ ہم یہاں اجمالی طور پر کانفرنس کے صرف اُنہی کارناموں کی طرف اشارہ کریں گے جو حیدرآباد میں اردو زبان و ادب کی ترقی کا باعث ہوئے۔

یوں تو کانفرنس کے جملہ اجلاسوں اور اُنکی کارروائیوں میں اُردو زبان ہی استعمال کیگئی یہانتک کہ مسز سروجنی نائیڈو اور پروفیسر ولنکر نے بھی انگریزی کی جگہ اُردو ہی میں تقریریں کیں اور صرف یہی خصوصیت اس قدر اہم ہے کہ اگر کانفرنس اُردو پر کوئی اور احسان عظیم نہ بھی کرتی تو اُردو کی ترقی اور ذوق کے لئے یہی خدمت کافی تھی۔ کیونکہ اس کانفرنس کیلئے ہر سال جو تحقیقی، تخلیقی، اور اصلاحی مقالے اور پرچے لکھے گئے، استقبالیہ اور صدارتی خطبے قلمبند ہوئے، مختلف تحریکات وغیرہ کی نسبت تقریریں تیار کی گئیں، اور پھر جو سالانہ تفصیلی رپورٹیں مرتب اور بعض شائع بھی ہوئیں، اُن سب کے ذریعہ اُردو زبان کے ذخیرۂ ادب اور معلومات میں قابل لحاظ اضافہ ہوا مگر اس ضمنی خدمت کے علاوہ کانفرنس کے دو چار کارنامے اتنے اہم ہیں کہ حیدرآباد کی موجودہ ترقی اُردو کی کوئی تاریخ انکے ذکر کے بغیر نہیں لکھی جاسکتی

ایجوکیشنل کانفرنس نے اپنے پہلے سالانہ اجلاسوں ہی سے جامعہ عثمانیہ کے قیام کی ضرورت کو محسوس کرانا شروع کیا، اس کے جلد سے جلد قائم کرنے کی تحریکیں کیں، ساتھ ہی اُردو زبان میں

علوم و فنون کے تراجم و تصانیف کی اشاعت پر زور دیا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے تقریباً ہر اجلاس میں اُردو کو ملک کا عام ذریعہ تعلیم بنانے کے لئے قسم قسم کی ترکیبوں سے کام لیا اور آخر کار ثابت کر دکھایا کہ حیدر آباد اگر ترقی کر سکتا ہے تو اُردو ہی میں تعلیم و تعلم کے ذریعہ سے۔

ایک مشرقی جامعہ کے قیام اور اردو تراجم و تالیف کے انتظام کی نسبت کانفرنس نے جو تحریکیں کیں ان کا ذکر جامعہ عثمانیہ اور دارالترجمہ کے تذکرہ میں مندرج ہوگا۔ یہاں صرف زبان اردو سے متعلق تحریکوں وغیرہ کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جن کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اس وقت بھی حیدر آباد کے اہلِ علم و فضل زبان اُردو کے استحکام اور وسعت و ہمہ گیری کے کتنے متمنی تھے!

پہلی ایجوکیشنل کانفرنس کے تیسرے اجلاس میں پروفیسر عبدالرحمن خاں صاحب نے "سائنس اور اسکی تعلیم کی ضرورت" پر ایک مفید مضمون پڑھا اور اس میں سائنس کی ابتدائی تعلیم کے انتظام پر زور دیتے ہوئے زبان اُردو کی ضرورت کی نسبت حسب ذیل تجویز پیش کی:-

"اپلائیڈ کمسٹری، ٹکنکل الکٹرسٹی، سیول اور میکانکل انجینرنگ کے ابتدائی مدارج کی ہمارے ملک میں ذرا سی کوشش سے نہایت عمدہ تعلیم ہوسکتی ہے...... ان سب فنون کی تعلیم نہایت آسانی سے اُردو زبان میں ہوسکتی ہے۔ حسب ضرورت کتابوں کے (جو جدید ترین طریقہ پر لکھی گئی ہوں) ترجمے بلا کسی شدید دقت کے تیار ہوسکتے ہیں۔" (روئداد کانفرنس صفحہ ۱۲۷)

صنعت و حرفت اور انجینرنگ کی اُردو تعلیم کے لئے کانفرنس کئی سال تک برابر کوشش کرتی رہی۔ پہلے سال یہ رزولیوشن پاس کیا گیا کہ "اس کانفرنس کی رائے میں تعلیم صنعت و حرفت پر کافی توجہ کی ضرورت ہے.... انجینرنگ اسکول کو ترقی دیکر سیول مکانکل، الکٹریکل انجینرنگ کی تعلیم کا ہائی اسکول بنایا جانا مناسب ہے جس میں ورکشاپ اور سر رشتہ برقی کے ذریعہ سے عملی تجربہ کا بھی بندوبست ہو۔ اور عام فائدہ کی غرض سے تعلیم اُردو میں ہونی چاہئے۔" اسکے محرک خان محمد یوسف صاحب

اور مؤید حافظ محمد مظہر صاحب تھے۔ موخرالذکر نے صنعت وحرفت کی نسبت نہایت وسیع معلومات کے اظہار کے بعد اردو تعلیم کی نسبت ان الفاظ میں تحریک کی :۔

جو مدارس صنعت وحرفت آئندہ اضلاع میں قائم ہوں اُن میں بھی اُردو کے ذریعہ تعلیم کا انتظام ہونا چاہیئے۔ کل کے اجلاس میں کانفرنس میں اس امر پر کافی بحث ہو چکی ہے کہ تعلیم اُردو میں دینا کس قدر مفید ہے ...... تعلیم اُردو میں دینے کے لئے مقدم چیز کتابیں ہیں اور پھر پڑھانے والے ...... ایسی کتابیں ہیں جن کا ترجمہ شمس العلما مولوی ذکاء اللہ مرحوم نے اردو میں کر دیا ہے۔ انجنیری کے متعلق جو کتابیں ہیں وہ رڑکی کالج کا نصاب ہیں۔ رڑکی کالج کے نصاب کے کچھ حصہ کا اُردو ترجمہ خود رڑکی کالج میں سرکاری طور پر ہوا ہے .... دو تین کتابیں البتہ ترجمہ شدہ نہیں ہیں مگر ان کا بلکہ کل رڑکی کالج کے بقیہ حصہ غیر ترجمہ شدہ کا ترجمہ اُردو میں سرکار عالی کے صرف ایک حکم پر ہو جا سکتا ہے رہا پڑھانے والے جب نواب مختار الملک مرحوم کے زمانہ میں ایسے اصحاب ملتے تھے جو اُردو میں تعلیم انجنیر تک دیا کرتے تھے۔ موجودہ اسٹاف مدرسہ اردو دانوں کا ہے وغیرہ“

(روئداد کانفرنس صفحہ ۱۶۱)

دوسرے سال بھی اس موضوع سے متعلق ایک رزولیوشن پیش کیا گیا جسکی تحریک کرتے ہوئے پروفیسر عبدالرحمٰن خاں صاحب نے فرمایا کہ :۔

”یہ رزولیوشن سال گذشتہ ایک حد تک سرکار سے منظور ہو چکا ہے۔ اب صرف اجرائی باقی ہے سالگذشتہ کے رزولیوشن میں یہ بھی تحریک تھی کہ عام فائدہ کی غرض سے اس مدرسہ کی تعلیم اردو میں ہونی چاہیئے .... اردو میں سائنس اور انجنیری کی تعلیم بالکل ممکن ہے انجنیری سائنس کا ایک شعبہ ہے اور اس میں ریاضی، فزکس، اور کمسٹری کی ضرورت ہے ان تینوں کی تعلیم اُردو میں ہوسکتی ہے“ وغیرہ

سائنس وصنعت وحرفت، اور انجینری کی اردو تعلیم کے ساتھ کانفرنس نے طب کی اردو تعلیم کی نسبت بھی تحریکیں پیش کیں۔ چنانچہ پہلے سال کی تحریک یہ ہے :-

"کانفرنس کی رائے میں طبی تعلیم کی ترقی اور ملک کو کافی طور سے فائدہ پہنچنے کی غرض سے کم از کم اسسٹنٹ سرجن کلاس کی تعلیم حسب سابق اُردو میں ہونا مناسب ہے۔"

ڈاکٹر مرزا رضا خاں صاحب نے تحریک کے سلسلہ میں کہا کہ :-

"مدرسہ طباعت میں فوراً اردو زبان میں تعلیم کا جاری ہونا نہایت ضروری امر ہے اور کم از کم فی الحال سب اسسٹنٹ سرجن کی تعلیم اُردو ہی میں ہونا چاہئیے، جس میں ملک کی بہبودی ہے۔"

(روئداد کانفرنس صفحہ ۲۱۱)

پھر تفصیلی بحث کے بعد کہا کہ :-

"اردو میں طبی تعلیم ہونے سے لوگ پہلے تو اپنی زبان میں لایق ہوں گے؛ پھر طبی علم کے سمجھنے کی قدرت بھی حاصل ہوگی۔ اور عام طور پر جو ترقی ہوگی اس سے وہ تمام خرابیاں دور ہو جائیں گی جن کا اشارہ کیا گیا ہے۔ ہمارے پاس اس کے زندہ نظائر موجود ہیں کہ جن لوگوں نے اردو زبان میں تعلیم پائی وہ کسی طور سے اپنے دوسرے ہم پیشہ ڈاکٹروں سے کم نہیں ہیں" (روئداد صفحہ ۲۱۳)

اس رزولیوشن کی مزید تائید محمد مرتضیٰ مرحوم نے کی اور کہا کہ :-

"عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ تعلیم طب کیلئے اردو میں مواد نہیں ہے۔ لیکن جب ستر سال پہلے ہمارے ملک میں تعلیم اُردو میں دیجاتی تھی اور جب اس تعلیم کی بدولت ایسے مکمل اور اعلیٰ نمونے اس وقت ہمارے سامنے موجود ہیں جیسے ڈاکٹر ارسطو یار جنگ بہادر تو کیا وجہ ہے کہ ہم ترقی معکوس کر کے ستر سال کے بعد یہ خیال کرنے لگیں کہ ہماری زبان بند ہو گئی۔ زبان دن بدن کھلتی جائے گی یا بند ہوگی؟" (روئداد صفحہ ۲۱۴)

دوسری سالانہ کانفرنس میں بھی یہ مسئلہ پھر پیش کیا گیا۔ اس کے محرک شیخ محی الدین صاحب اور موید محمد مرتضیٰ مرحوم نے نہایت معقول اور مدلل تقریریں کیں جن کے اقتباسات کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ گذشتہ سال بھر کے عرصہ میں کانفرنس نے اس بارے میں بہت کچھ مواد فراہم کرلیا تھا۔ تحریک یہ تھی:۔

"چونکہ علاقۂ سرکار عالی میں مشرقی امتحانات کا سلسلہ بھی قائم ہے اس لئے بلحاظ اس سلسلہ کے طلبہ کے سب اسسٹنٹ سرجن کلاس کی تعلیم اردو زبان کے ذریعہ سے دینے کے لئے ایک جدید شعبہ کا امتحانًا کھولا جانا مناسب ہے۔"

اس کو پیش کرکے محرک نے مروجہ خامیوں کے تفصیلی تذکرہ کے بعد کہا کہ:۔

"اس کمی کو پورا کرنے کے لئے سردست یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ انگریزی طبابت کو اردو کا جامہ پہنایا جائے اور اس کی عملی صورت یہ ہے کہ انگریزی مدرسہ طبابت میں...... ایک جماعت امتحانًا ایسے طلبہ کی جاری کی جائے جو طبابت انگریزی کو بذریعہ زبان اردو حاصل کریں...... انگریزی کتب طبابت کے تراجم کا مہیا کرنا بلاشبہ ایک مشکل کام نظر آتا ہے لیکن جو معلومات کہ اطراف واکناف ہند سے کانفرنس کے دفتر میں جمع ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام بھی قریب قریب حل شدہ ہے صوبۂ پنجاب وصوبۂ متحدہ کے مدرسہ طبیہ انگریزی کے ڈاکٹروں اور طبی افسروں کے جو آراء وصول ہوئے ہیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیشتر اس طریقۂ تعلیم کے موافق ہیں مثلاً کل چالیس اصحاب میں سے صرف تین یا چار ایسے ہیں جو اس تعلیم انگریزی طبابت کو بذریعہ زبان اردو ناقابل عمل ظاہر کرتے ہیں۔ باقی چھتیس ۳۶ لائق ڈاکٹر اس انتظام کی ضرورت اور اہمیت کے صاف طور پر معترف ہیں...... ان ہی تحریرات میں صاف درج ہے کہ پنجاب اور صوبۂ متحدہ میں انگریزی طبی مدرسہ کی سب اسسٹنٹ سرجن کلاس کی تعلیم قریب پچاس سال تک بذریعہ اردو رہی ہے اور اردو تراجم اسی لئے موجود بھی ہیں۔" (روئداد صفحہ ۱۱۵-۱۱۶)

محمد مرتضیٰ معتمد کانفرنس نے بھی اس کی تائید میں نہایت پرجوش تقریر کی۔

یہی تحریک ۱۳۳۶ھ م ۱۳۲۷ف میں پھر پیش کی گئی اور سید محی الدین صاحب سرجن وظیفہ یاب نے طبیبوں اور طب کے مروجہ خطروں اور نقائص کے سلسلہ میں استدعا کی کہ:۔

ایسی حالت میں ضرور ہے کہ سرکاری طور پر اس کی تعلیم کا اردو میں انتظام کیا جائے جیسے کہ پہلے تھا جس کے عمدہ نتائج مسلم ہیں۔ (روئداد کانفرنس ۲۷ف صفحہ ۷۲)

ان علوم وفنون کے علاوہ اردو میں حیدرآباد کی تاریخ وجغرافیہ کی تعلیم کے بارے میں بھی کانفرنس نے نہایت مفید تحریک کی اور اس کے محرک پروفیسر عبدالرحمٰن خاں صاحب نے بیان کیا کہ:۔

اردو زبان میں جہاں فنون کی کتابیں تصنیف کرنے کی کوشش ہو رہی ہے وہاں تاریخ وجغرافیہ دکن کی تالیف کا بھی انتظام ہو تو نہایت مناسب ہوگا۔ (روئداد کانفرنس صفحہ ۶۰)

اس طرح تعلیم نسواں کی نسبت بھی تحریک پیش کی گئی کہ وہ زیادہ تر السنۂ ملکی کے ذریعہ سے ہونی چاہیئے مولوی سید خورشید علی صاحب نے اس تحریک کو پیش کر کے کہا کہ:۔

عورتوں نے اب تک تعلیم میں جو نمایاں ترقی نہیں کی اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کو اپنی زبان میں اعلیٰ کتابیں نصیب نہ ہوئیں۔ (روئداد ۲۵ف صفحہ ۷۰)

یہ تو اردو زبان کو مختلف علوم وفنون وغیرہ کے لئے ذریعۂ تعلیم بنانے اور اس میں وسعت دینے کی نسبت تجاویز تھیں۔ آخر میں ایک اور تحریک کا ذکر ضروری ہے جو ملک کے اردو ذوق اور معلومات میں اضافہ کے لئے لازمی تھی۔ چنانچہ تیسری سالانہ کانفرنس نے یہ تحریک پیش کی کہ:۔

"اس کانفرنس کی رائے میں کتب خانۂ آصفیہ میں ضرورت ہے کہ اعلیٰ درجہ کی اردو تصانیف وتراجم سابقہ وحال کوشش کے ساتھ فراہم کئے جائیں"

اسکی تحریک مولوی عبدالحق صاحب نے کی اور کتب خانۂ آصفیہ کے مشرقی ذخیرۂ کتب کی ترقی کے سلسلہ میں کہا کہ:۔

" اس کتب خانہ میں سب سے کم ذخیرہ اردو زبان کا ہے۔ اردو زبان کی کتابوں کے متعلق کوئی ذریعہ دریافت نہیں ہے اور اس وجہ سے بھی بہت بڑی دقت پیش آتی ہے۔ بہت سی عمدہ عمدہ کتابیں اردو میں لکھی جا چکی ہیں لیکن گمنامی میں پڑی ہیں اور ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا۔ اگر سب کتابیں فراہم کی جائیں، اور اس طرح قدیم اردو کی کتابیں فراہم ہو جائیں تو کتب خانہ کی ایک عمدہ شاخ قائم ہو جائے گی۔ ضرورت ہے کہ اردو کتابوں کی ایک فہرست مرتب ہو جس سے معلوم ہو سکے کہ ہر بحث پر کون کون کتابیں اردو میں موجود ہیں۔ اگر اس طرح کتابیں ایک جگہ جمع ہو جائنگی تو یہ بہت آسانی سے ممکن ہوگا کہ ایک شخص جس کو خدا نے کسی خاص فن کی مناسبت اور استعداد عطا کی ہے صرف اردو کی کتابیں دیکھکر تصنیف و تالیف کر سکے۔" (رودادِ صفحہ ۵۷)

ایجوکیشنل کانفرنس مستحق مبارکباد ہے کہ اسکی اکثر تحریکیں بالآخر کامیاب رہیں اور اس نے حیدرآباد کی اردو ترقی اور وسعت کیلئے جیسی اہم اور مستحکم خدمت انجام دی ہے اسکی نظیر کہیں نہیں مل سکتی۔ لیکن اسکی اس ساری کامیابی کا سہرا اس کے ارباب حل و عقد کے سر ہے جنہوں نے نہایت خلوص، توجہ، محنت اور جرات کے ساتھ اس اہم قومی اور اعزازی کام کو انجام دیا۔ اسکی مجلس انتظامی غیر معمولی خوش قسمت رہی کہ نواب سر حیدر نواز جنگ جیسا علم دوست، صاحب دل، اور ہمدرد صدر اس کو مل گیا، اور محمد مرتضیٰ مرحوم اور مولوی سید خورشید علی صاحب جیسے معتمدین۔ ان دونوں کا خلوص، سرگرمی اور ایثار تمام اہل ملک کیلئے لائق تقلید ہے۔

کانفرنس کے سرگرم اراکین میں اکبر علی صاحب، پروفیسر ولنکر صاحب، مرزا محمد بیگ صاحب، پروفیسر عبدالرحمٰن خاں صاحب، پروفیسر عبدالحق صاحب، حافظ محمد مظہر صاحب، رضی الدین حسن کیفی مرحوم، اسداللہ صدیقی صاحب، محمد عبدالعلی صاحب، وامن رام جینیدر نایک صاحب، ملا عبدالباسط صاحب رائے بالمکند صاحب اور عبداللطیف خاں صاحب وغیرہ کے ناموں کو ملک کی آیندہ نسلیں انکی قومی ہمدردی

اور علمی استعدادی کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھیں گی ۔ لیکن ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی نہیں بھلایا جا سکتا کہ ایجوکیشنل کانفرنس وجود ہی میں نہیں آسکتی اگر اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی وہ قدردانیاں اور توجہ خاص شامل حال نہ ہوتیں جن کا ذکر تفصیلی شواہد کے ساتھ اسی فصل کے ابتدائی حصہ میں مندرج ہے ۔

(۵)

ان اداروں کے آخر میں اور دوسری انجمنوں کا ذکر شروع کرنے سے پہلے طلبہ دارالعلوم ہی کی ایک اور چھوٹی سی کوشش کا تذکرہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ "**انجمن ثمرۃ الادب**" کا قیام پہلی دفعہ عہد حضرت غفراں مکاں میں ماہ آذر ۱۳۱۲ف میں مولوی الٰہی بخش صاحب مرحوم (صدر مہتمم دارالعلوم) کی سرپرستی اور سید غلام حسین صاحب معتمد انجمن کی مستعدانہ کوشش سے عمل میں آچکا تھا ۔ دو سال بعد عبدالقدیر صدیقی صاحب ۔ (حال صدر شعبۂ دینیات کلیہ جامعہ عثمانیہ) اسکے معتمد مقرر ہوئے جنہوں نے مقاصد انجمن کی نسبت اسکی پہلی مطبوعہ رپورٹ بابتہ ۱۳۱۴ف میں لکھا کہ :-

"طلبہ کے لئے عام معلومات کی توسیع، دنیا کے نشیب فراز سے واقفیت، اخبارات و مخازن کا مطالعہ، تاریخ و فلسفہ جدید کا علم، اور ان تمام علمی، اخلاقی، سیاسی مباحث پر اطلاع کیلئے (جو آج کل معرکتہ الآرا بنے ہوئے ہیں) کوئی انتظام نہ تھا ۔ نہ یہاں تقریر و لکچر کی عادت کی جاتی تھی، اور نہ یہاں کوئی ایسا کتب خانہ تھا جو زمانہ حال کے مذاق کے مطابق کتابوں پر مشتمل ہو ۔ یہ ضرورتیں ایسی نہ تھیں کہ جن پر توجہ کی جاتی ۔ آخر اس امر کا احساس کرکے بعض سربرآوردہ طلبہ و اساتذہ نے انجمن ثمرۃ الادب کی بنیاد ڈالی ۔"

اس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ انجمن میں ۴۸ اخبار و رسائل آیا کرتے تھے اور اسوقت کتابوں کی تعداد ۵۰۰ تک پہنچ چکی تھی دو تین سال ہی کے عرصہ میں یہ کچھ کم کامیابی نہیں ہے !

مگر معلوم ہوتا ہے کہ پھر دس سال کیلئے یہ انجمن ساکت ہوگئی اور اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی

مسیحا نفسیوں کے زیر اثر آخر کار اس میں بھی جان پڑ گئی۔ چنانچہ مولوی الٰہی بخش مرحوم کے علیحدہ ہونے کی یادگار میں انجمن کے دور جدید کا افتتاح کیا گیا۔ پہلا جلسہ ۱۳۲۴ف میں سر حیدر نواز جنگ بہادر کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ الماطیفی صاحب ناظم تعلیمات انجمن کے سرپرست ہوئے اور عبدالرب صاحب کوکب معتمد

اس سال انجمن میں آٹھ دس علمی جلسے ہوئے جن میں متعدد مضامین اور تقریریں اردو زبان میں پڑھی گئیں اور اس طرح طلبہ میں اردو زبان کا ذوق اور علم و فضل سے دلچسپی بڑھتی گئی۔ دوسرے سال ۱۳۲۵ف میں انجمن اپنے مقاصد میں اور زیادہ کامیاب رہی۔ چنانچہ چودہ پندرہ علمی جلسے ہوئے۔ اور بعض تقریریں بھی نہایت اعلیٰ پایہ کی ہوئیں۔ دارالعلوم کے قدیم طلبہ اور ملک کے لائق افراد کے علاوہ بیرون حیدر آباد کے اصحاب علم و فضل مثلاً صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، سید سلیمان صاحب ندوی، اور قاری سرفراز حسین صاحب وغیرہ کی بھی تقریریں خاص اہتمام سے کرائی گئیں اسی سال سے نصیر الدین ہاشمی صاحب انجمن کے معتمد ہوئے۔

تیسرے سال انجمن نے اپنی سرگرمیوں میں اور اضافہ کیا یعنے متذکرہ غیر معمولی جلسوں کے ساتھ ہفتہ واری علمی جلسے منعقد کئے جن میں کافی طلبہ نے بحث مباحثہ میں حصہ لیا۔ چوتھے سال یعنے ۲۶ف م ۱۳۳۶ سے انجمن نے ایک رسالہ "ثمرۃ الادب" بھی نکالنا شروع کیا جو در اصل نواب مسعود جنگ ناظم تعلیمات کی ہمت افزائی کا نتیجہ تھا۔ اس رسالہ کے مدیر محمد عبدالواسع صاحب صفا اور مہتمم نصیر الدین ہاشمی صاحب تھے۔ یہ رسالہ ایک سال تک پابندی سے شایع ہوتا رہا اور ملک کے اردو ذوق میں اضافہ کا باعث ہوا۔ اسکے مضمون نگاروں میں مدیر و مہتمم کے علاوہ عبدالقدیر صاحب، عبدالحق صاحب سید احمد حسین صاحب امجد۔ جمیل الرحمٰن صاحب، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

جب ۱۳۳۷ھ میں کلیہ جامعہ عثمانیہ قائم ہو گیا اور دارالعلوم کالج اس کی شکل میں منتقل ہو گیا تو انجمن ثمرۃ الادب بھی اور دو سال تک باقی رہکر آخر کار کلیہ کی "انجمن اتحاد" میں ضم ہو گئی۔ اس کا کتب خانہ بھی

اسی میں منتقل ہوگیا۔ اور رسالہ کی اشاعت بھی چند ماہ قبل ہی سے رک گئی۔ اس آخری زمانہ میں اس کی معتمدی مولوی عبدالمجید صاحب صدیقی کے سپرد تھی۔ اور یہی وہ دور ہے جبکہ حیدرآباد میں پہلی دفعہ کلیہ جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ مثلاً وحیدالدین سلیم مرحوم اور خلیفہ عبدالحکیم صاحب وغیرہ کی تقریریں انجمن ثمرۃ الادب کی سرپرستی میں ہوئیں۔ اس انجمن کے کتب خانہ کو سرکار کی طرف سے پندرہ روپیہ ماہانہ کی امداد تھی اور آخر میں رسالہ کی خریداری اور امداد بھی منظور ہوچکی تھی۔ بہرحال اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ اس انجمن نے اپنی بساط کے موافق ادبی مذاق کی اشاعت اور زبان اردو میں تحریر و تقریر کی قوت اور ذوق مطالعہ کے بڑھانے میں قابل ذکر مدد کی۔

(۶)

انجمن ثمرۃ الادب کے نشاۃ ثانیہ سے تین سال قبل یعنے ۱۳۲۱ ف میں حیدرآباد میں ایک اور انجمن قائم ہوئی جو اب تک اردو زبان کی بھی خاموش خدمت کر رہی ہے۔ اسکا نام مجلس اشاعت العلوم ہے اور مقصد یہ ہے کہ اسلام سے متعلق علوم و عقائد کی اشاعت کی جائے۔ اس مقصد کے حصول میں انجمن کو اردو زبان کی طرف توجہ کرنی پڑی چنانچہ اس نے اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں حسب ذیل تدابیر اختیار کیں:

"۱۔ بعطائے صلہ حسب صراحت صدر مضامین پر کتابیں تالیف و تصنیف کرائی جائیں اور منجانب انجمن شایع کی جائیں۔

۲۔ اگر کوئی مفید کتاب دوسری زبان میں ہو تو اردو میں بعطائے معاوضہ اس کا ترجمہ کرایا جائے اور منجانب انجمن اسکی اشاعت ہو۔

۳۔ اگر کوئی کتاب یا رسالہ یا مضمون مفید معلوم ہو تو اسکی اشاعت کا انتظام ہوسکے گا۔"

خاصکر تیسری تدبیر ہمارے موضوع سے راست تعلق رکھتی ہے اور اگر انجمن اپنے مطبوعہ دستورالعمل میں اسکو شامل نہ بھی کرتی تو ہمیں اس وجہ سے اس کا تذکرہ کرنا پڑتا کہ یہ انجمن اب تک اتنی کتابیں شایع

کر چکی ہے۔ جن میں (۶۰) کے قریب ہماری زبان اُردو ہی کی ہیں۔

اس انجمن کے بانی نواب فضیلت جنگ مولوی انوار اللہ رحمہ ہیں جو حیدرآباد کی اُن غیر معمولی یائے ناز ہستیوں میں سے تھے جو صدیوں میں کبھی کبھی ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ آپ اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کے استاد تھے اور حیدرآباد کے مشہور مدرسۂ نظامیہ کے سرپرست بھی۔ یہاں کے طبقۂ علما کی اصلاح اور اونکو تصنیف و تالیف کی طرف مائل کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ آپ نے درباری تعلق، معین المہام امور مذہبی جیسی اہم خدمت کی بجا آوری، مدرسہ نظامیہ اور مجلس اشاعت العلوم جیسے کئی تعلیمی اور علمی اداروں کے انتظام و نگرانی، مکان پر روزانہ درس و تدریس کی پابندی، اور عالموں اور مصنفوں کی ہمت افزائی کے ساتھ ساتھ خود بھی اپنی تصنیف و تالیف کا سلسلہ آخر وقت تک قائم رکھا، اور عربی کتابوں کے علاوہ اُردو میں پانچ چھ ہزار صفحوں کی (۲۵) کتابیں مثلاً مقاصد الاسلام، (گیارہ حصے) افادۃ الافہام، حقیقۃ الفقہ، کتاب العقل، انوار احمدی، انوار الحق، خدا کی قدرت، خلق افعال، مسئلہ الربوا وغیرہ لکھیں جن کے موضوع گوناگوں تھے، مثلاً فلسفہ و حکمت، اصول و عقائد، حدیث و تفسیر، اور قانون و فقہ، غرض اسلام کے جملہ پہلوؤں پر آپ نے روشنی ڈالی، متذکرہ بالا مصروفیات کے باوجود اردو زبان میں پچیس کتابیں اپنی یادگار چھوڑ جانا کوئی معمولی خدمت نہیں ہے۔ اور پھر اس ذاتی خدمت کے ساتھ دوسرے خدمت کرنے والوں کے لئے امداد اور انکی تصنیف و تالیف کی اشاعت کی غرض سے ایک باضابطہ سرکاری انجمن ہمیشہ کیلئے قائم کر دینا اُردو زبان پر ایک ایسا احسان ہے جو شاید ہی بھلایا جا سکے۔

مولانائے مرحوم کی کتابوں کے علاوہ اس مجلس سے ابتک تقریباً اور بیس اردو مصنفوں کی کتابیں شایع ہو چکی ہیں۔ مثلاً مشتاق احمد صاحب انبیٹوی کی کتابیں، انوار العاشقین، فیصلہ شاہ صاحب دہلوی، ثبوت ذکر جہر، تحفۃ السالکین، اور الدلیل الظہر وغیرہ۔

سلامت اللہ صاحب کی کتابیں۔ سخاوت الشرافت، فضائل شعر رسول اللہ ﷺ، مسئلہ خضاب،

احکام اللحی وغیرہ،

فتح الدین از بر خوشابی کی کتابیں۔ روح الایمان اور نقشہ انوار الفرائض حفیظ اللہ صاحب کی کتابیں۔ حیاۃ الانبیاء اور مکارم الحفظ کے علاوہ سید غوث الدین صاحب کی مرجع، اسعد اللہ صاحب کی زاد السبیل، محی الدین حسین ویلوری صاحب کا سفرنامہ حرمین شریفین۔ کاظم حسین شیفتہ کنتوری مرحوم کی سلام الاسلام اور محمد رکن الدین صاحب کی فتاوی نظامیہ کی تین جلدیں خاصکر قابل ذکر ہیں۔

اس انجمن کے پہلے میر مجلس نواب فضیلت جنگ مرحوم، معتمد مولوی یوسف حسین مرحوم اور مہتمم حافظ ولی الدین صاحب تھے اور اب میر مجلس نواب لطف الدولہ بہادر، معتمد نواب اختریار جنگ بہادر اور مہتمم حکیم غلام مرتضی صاحب ہیں۔ موخر الذکر صاحب مجلس کی کتابوں کی اشاعت و تشہیر میں کافی دلچسپی لے رہے ہیں۔ ورنہ پہلے خود مجلس اشاعت العلوم ہی سے عام طور پر لوگ ناواقف تھے۔

―――(۷)―――

مجلس اشاعت العلوم کے بعد انجمن اسلامیہ کا ذکر بھی نامناسب نہ ہوگا۔ یہ انجمن ربیع الاول ۱۳۳۸ھ میں قایم ہوئی۔ اور اب تک نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے مختصر سے حلقہ میں سرگرم کار ہے۔ اسکے صدر مولوی سید خورشید علی صاحب ہیں۔ اور معتمد پہلے محمد اصغر خاں صاحب تھے اور اب نصیر الدین ہاشمی صاحب ہیں۔ گذشتہ چودہ سال سے اسکی روئداد میں ہر سال برابر شایع ہوتی رہی ہیں۔ جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے اراکین نے اردو تحریر و تقریر کی کافی مشق بہم پہونچائی ہے۔ ہر دوسرے ہفتہ بروز جمعہ علمی جلسے ہوتے ہیں اور اس انجمن کو فخر ہے کہ اتنی طویل زندگی میں بھی کوئی جلسہ ملتوی نہیں ہوا۔ گویا اس وقت تک اس انجمن کے تین سو سے زیادہ جلسے ہو چکے ہیں جن میں سے بعض جلسوں کی تقریروں اور مباحثوں کے عنوان یہ ہیں:۔

ناول بینی۔ ہماری تعلیم کونسی زبان میں ہونی چاہیئے۔ ناٹک۔ ہماری خانگی زندگی۔ ہماری دیہی تمار

خلافت۔ ہماری قدیم تعلیم۔ ہماری موجودہ تعلیم سلطنت آصفیہ۔ موجودہ حجاب۔ ہماری انجمن۔ جبری تعلیم عورتوں کی تعلیم کے نصاب۔ یورپ کی تقلید۔ لباس۔ سینما۔ حالات حاضرہ۔ کورٹ شپ۔ عثمانیہ یونیورسٹی۔ اردو شاعری۔ شاعری اور مصوری تعلیم و تربیت۔ نصاب نسواں۔ اعلی تعلیم ضروری ہے یا ابتدائی تعلیم۔

ان تمام موضوعوں کے علاوہ متعدد اسلامی اور اصلاحی موضوعوں پر بھی تقریریں ہوئیں اس انجمن نے ایک سلسلہ تالیفات بھی قائم کیا جس میں اراکین انجمن کے مضامین کا پہلا حصہ شایع ہو چکا ہے۔ اس کے دیباچہ میں مولوی سید خورشید علی صاحب نے لکھا ہے کہ :-

"قومی خدمت اور ملت پرستی کے نام سے گرم بازاری پیدا کرنے سے ہمیشہ احتراز کیا گیا۔ یہاں تک کہ ارکان انجمن نے کبھی اس بات کی بھی خواہش یا کوشش نہیں کی کہ انجمن اسلامیہ کو ملک سے عام طور پر روشناس کرایا جائے۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ یہ مجموعہ ہی اولاً انجمن اسلامیہ کے تعارف کا ذریعہ ہو"

غرض یہ انجمن اپنے مقاصد میں نہایت کامیاب ہی ہے اور جیسا کہ اس کے صدر نے لکھا ہے۔ خاموشی کے ساتھ کام کر رہی ہے۔ اسکے اراکین کی تعداد بہت مختصر ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ شرکا کے اضافہ کی کوشش بھی نہیں کی جاتی۔ کیونکہ متذکرۂ بالا مجموعۂ مضامین ہی کے دیباچہ میں صدر انجمن نے لکھا ہے کہ :-

اس مختصر جماعت کی ایک خصوصیت ہے کہ اسکی حالت بالکل ایک خاندان اور کنبہ کی سی ہے۔ اور اسکے تمام ارکان آپس میں اس میل جول سے رہتے اور آپس میں اس اتحاد و یگانگت اور اخوت کا برتاؤ دلی خلوص کے ساتھ کرتے ہیں جو ایک گھرانے اور ایک خاندان کے ارکان ہی میں ہو سکتا ہے۔ یہ بھی اس انجمن کے قیام کا ایک مقصد اعظم ہے۔

(۸)

انجمنوں کے سلسلہ کے آخر میں انجمن ترقی اردو کا ذکر نہایت ضروری ہے۔ کیوں کہ اس نے

اعلیٰحضرت سلطان العلوم کی خاص سرپرستی حاصل کی۔ اور متذکرۂ بالا تمام انجمنوں کے مقابلہ میں عہد عثمانی کی فیاضیوں سے سب سے زیادہ بہرہ مند ہوئی۔ اس انجمن کا تذکرہ اس لئے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ ہمارے موضوع یعنے اُردو کی ترقی سے اسکو راست تعلق ہے۔

انجمن ترقی اردو دراصل ۱۹۰۳ء میں قائم ہوئی مگر پہلے دس سال اسکی ترقی نہایت سست رہی اور اعلیٰحضرت سلطان العلوم کی تخت نشینی کے بعد سے جہاں دوسری انجمنوں اور اداروں کی خوابیدہ قوتیں بیدار ہوگئیں۔ انجمن ترقی اردو کے بھی دن پلٹ گئے۔ اس کا جمود حرکت سے اور ناکامیاں کامگاریوں سے بدل گئیں۔ اور اس وقت سے آج تک اسکی ترقی جاری ہے۔

اس انجمن کے پہلے معتمد شبلی نعمانی مرحوم تھے۔ جنہوں نے اسکے قیام اور استحکام کیلئے اپنی پوری قوتیں صرف کردیں۔ اور آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس سے (جس نے اس انجمن کو قائم کرکے مرحوم کو اس کا معتمد بنایا تھا) خراج تحسین حاصل کیا۔ اس ایجوکیشنل کانفرنس کے جہاں اور ذیلی صیغے تھے۔ ترقی اردو سے متعلق بھی اس کا ایک اہم شعبہ تھا اور اس شعبہ کو اس نے ۱۹۰۳ء کے آغاز کے ساتھ جدا کرکے "انجمن ترقی اُردو" کے نام سے قائم کیا۔ ایک سال تک سرگرم رہنے کے بعد ڈسمبر ۱۹۰۳ء میں شبلی مرحوم نے ایجوکیشنل کانفرنس کے سترہویں اجلاس منعقدہ بمبئی میں اپنی پہلی سالانہ رپورٹ پیش کی جو کانفرنس کی جانب سے علیحدہ چھاپی گئی۔

شبلی نعمانی مرحوم نے اپنی رپورٹ میں اردو ادب میں اضافہ کرنے کی ضرورت پر نہایت زور دیا۔ اور اس زمانہ میں ترجموں کی مشکلات کی نسبت جو غلط فہمیاں تھیں اور جن کی وجہ سے لوگوں کی ہمتیں پست ہورہی تھیں انکو دور کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ :-

> "یہ شبہ صحیح نہیں ہے کہ علوم و فنون جدیدہ کی تصنیفات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا ترجمہ قریباً ناممکن ہے اسلئے کہ امہات الکتب دو چار سے زیادہ نہیں ہوتیں اور ان کا ترجمہ کافی ہے۔"

اور ترجمہ کی نسبت اس طرح حوصلہ افزائی کی کہ:۔

"گو ملک میں علوم و فنون کے مترجم یا مصنف بہت کم ہیں مگر ملک قابل اشخاص سے خالی نہیں ہے ملک کا عام مذاق ان کی قابلیت کی قیمت ادا نہیں کرسکتا۔ اسلئے وہ گوشہ گمنامی میں پڑے ہیں انجمن کا بڑا کام انہی قابل جوہروں کا پتہ لگانا اور انکی قابلیت سے کام لینا ہے"

سترہویں ایجوکیشنل کانفرنس کی جانب سے معتمد انجمن ترقی اردو کی سرگرمیوں اور سلیقہ کا جن الفاظ میں شکریہ ادا کیا گیا وہ ظاہر کرتے ہیں کہ مولانائے مرحوم نے کس خوبی کے ساتھ اس کام کو شروع کیا تھا۔ چنانچہ نواب محسن الملک مرحوم نے اپنی سالانہ روئداد میں اس کام کی نسبت یہ تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"حقیقت میں مولانا شبلی صاحب کی سالانہ رپورٹ متعلق اس شاخ کے پڑھنے کے قابل ہے جس لیاقت اور خوبی اور محنت سے مولوی صاحب نے اس کام کو شروع کیا ہے اور اس سکشن کو ترقی دی ہے اس نے اس بات کو ثابت کردیا کہ جو شعبہ اور جو صیغہ کانفرنس کا کسی لائق، قابل، مستقل مزاج کام کرنے والے آدمی کے سپرد ہوگا، ضرور وہ اچھی طرح انجام پائے گا۔ اور اس میں پوری کامیابی ہوگی۔ اور عملی کام نہ ہونے کا اعتراض بالکل دور ہوجائے گا۔ شمس العلما مولوی شبلی صاحب کو کانفرنس کی طرف سے اور قوم کی طرف سے بلکہ کل ملک کی طرف سے مبارکباد دیتے ہیں اور تہہ دل سے اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔"

مگر افسوس ہے کہ جو کام اس خوبی سے شروع کیا گیا تھا بہت جلد شبلی نعمانی مرحوم کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، اور مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی حال نواب صدر یار جنگ بہادر کے سپرد کیا گیا انہوں نے بھی اسکی طرف توجہ کی مگر اپنے پیشرو کی طرح جلد چھوڑ دینے پر مجبور ہوگئے۔ پھر عزیز مرزا مرحوم اس کے معتمد مقرر ہوئے۔ اور خاطر خواہ دلچسپی لینی شروع کی، لیکن ان کی کوششیں ابھی بارور ہونے پائی تھیں کہ انکا انتقال ہوگیا۔ آخر کار ۱۹۱۳ء میں مولوی عبدالحق صاحب نے ڈرتے ڈرتے اس کا جائزہ لیا اور اس وقت سے

آج تک ہمہ تن سرگرم کار ہیں۔

گذشتہ بیس سال کے عرصہ میں انجمن نے جو کام کئے اُن کی تفصیل خود انجمن کی رپورٹوں میں مندرج ہے مگر اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اس انجمن کی کامیابی جہاں مولوی عبد الحق صاحب کی غیر معمولی جانفشانی ثابت قدمی، حسن تدبیر، اور سر حیدر نواز جنگ بہادر کی خاص توجہ، ہمدردی اور امداد کا نتیجہ ہے، اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی ذاتی سرپرستی، فیاض نظر، اور رقمی منظوریوں کی بھی مرہون منت ہے اگر اعلیٰ حضرت دل کھولکر انجمن کی مستقل سالانہ امداد منظور نہ فرماتے، اور موقع بموقع دوسری رقمی منظوریاں صادر نہ کرتے تو ناممکن تھا کہ یہ انجمن اس عرصہ میں ایسی شاندار کامیابی حاصل کر سکتی خاصکر ایسے نازک وقت پر جب کہ خود آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اپنے پانسو روپیہ کے سالانہ عطیہ کو بھی جاری نہ رکھ سکی۔

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم نے اپنی تخت نشینی کے پانچویں سال ہی یعنے ۱۹۱۶ء میں انجمن ترقی اردو کو پانچ ہزار روپیہ سالانہ کی امداد مرحمت فرمائی۔ اور دوسرے ہی سال اصطلاحات علمیہ کی لغت کی تیاری کے لئے تین سال تک اور تین ہزار روپئے کی امداد منظور فرمائی۔ اسکے علاوہ رسالہ اردو کی بہت سی کاپیاں بعض محکمہ جات اور اکثر مدارس کیلئے خریدنے کا حکم دیا۔ جسکی وجہ سے اخبار و رسائل کی طرف سے پبلک کی ایسی عام بے توجہی کے باوجود رسالہ اردو سے انجمن کو ۱۹۳۱ء تک قریب قریب چار ہزار روپیے سالانہ کی آمدنی ہوگئی۔ حیدر آباد میں مصنفین اور مولفین کی انفرادی کوششوں پر بطور انعام یکمشت رقم دینے کا جو طریقہ تھا اور جس کے لئے ہر سال علیحدہ رقم محفوظ رہتی تھی وہ جملہ رقم بھی انجمن ترقی اردو کے تفویض کر دیگئی۔ کئی سال سے ریاست حیدر آباد کے جملہ مدارس تحتانیہ و فوقانیہ میں انجمن ترقی اردو ہی کی مرتبہ اردو ریڈروں کو شریک نصاب کر لیا گیا جن کی فروخت کی وجہ سے انجمن کو شاید سالانہ تیئس ہزار سکہ عثمانیہ سے زیادہ کی آمدنی ہو گئی کیونکہ رپورٹ بابتہ ۱۳۳۱ف میں فروخت کتب کے مد میں جہاں

۴-۱۲-۴ ۶۶۵۴ رقم کلدار درج ہے۔ ۶-۱۰-۴ ۷ ۲۳۷ حالی بھی مندرج ہے (جس سے ظاہر ہے کہ بیرون ریاست کی فروخت کلدار میں ہوی اور ریاست کی آمدنی حالی میں۔) چند سال قبل سے ان مندرجہ بالا رقموں کے علاوہ دس سال تک بارہ ہزار سالانہ کی اور منظوری صادر فرمائی گئی تاکہ انجمن ایک مبسوط اردو لغت تیار کرے۔ ۱۳۳۵ھ ۱۹۱۶ء میں جو سالانہ سرکاری عطیہ مقرر ہوا تھا۔ اس میں بھی اعلیٰ حضرت سلطان العلوم نے بعد کو اضافہ فرمایا۔ چنانچہ ۱۹۳۱ء کی روئداد انجمن میں عطیہ دولت آصفیہ کے تحت میں چھ ہزار تین سو اکیانوے روپئے سات آنے آٹھ پائی کلدار اور ایک سو تریں روپئے پانچ آنے چار پائی حالی مندرج ہیں!

یہ سب تفصیل ظاہر کرتی ہے کہ اعلیٰ حضرت قدر قدرت کو اپنی مادری زبان اردو سے کس قدر شغف ہے اور آپ اسکی ترقی کیلئے کس فیاضی کے ساتھ بڑی سے بڑی رقموں کی منظوریاں صادر فرماتے ہیں۔

اس وقت تک انجمن ترقی اردو نے اسّی سے زیادہ کتابیں شایع کیں جن میں اردو کے قدیم شاعروں کے متعدد اہم اور کمیاب تذکرے بھی شامل ہیں جنکی وجہ سے تاریخ ادب اردو کی نسبت معلومات میں اضافہ ہوا۔ بعض مغربی کتابوں کے ترجمے بھی کرلئے گئے اور چند قدیم اساتذہ اور انشا پردازوں کے کلام اور کتابوں کے انتخابات بھی مرتب کرکے شایع کئے گئے۔ ان سب کی فہرست اس کتاب کے آخر میں مندرج ہوگی۔

مطبوعہ کتابوں کے ذریعہ سے اردو زبان و ادب کے خزانہ میں بیش بہا اضافہ کرنے کے علاوہ انجمن دو سہ ماہی رسائل بھی شایع کرتی ہے جن میں سے ایک اردو زبان اور ادب سے متعلق ہوتا ہے اور دوسرا سائنس کی عام فہم معلومات کی ترویج کی غرض سے شایع کیا جاتا ہے اگرچہ موخر الذکر سے انجمن کو مالی نقصان ہو رہا ہے۔ ان دونوں رسائل کا ذکر متعلقہ فصل میں مندرج ہے۔

رسالوں کے علاوہ انجمن کی ایک اور اہم خدمت قدیم اردو کی نایاب اور کمیاب کتابوں کے قلمی نسخوں کی خریدی اور حفاظت ہے۔ اس وقت تک مولوی عبدالحق صاحب نے اپنی بے پایاں

تلاش اور خاص توجہ کے باعث انجمن کے لئے متعدد و اہم قلمی کتابیں جمع کر دی ہیں جن کی وجہ سے قدیم اردو ادب کے بہت سے نسخے تباہی سے بچ گئے۔ مگر ضرورت ہے کہ ان مخطوطوں کی کم از کم ایک سرسری فہرست ہی شایع کر دی جائے۔

مخطوطوں کی حفاظت کے علاوہ ٹائپ کا استعمال اور ترویج بھی انجمن کی ایک خصوصیت ہے اس کی کتابیں رسالے اور تحریریں سب ٹائپ میں چھپتی ہیں۔ اگرچہ ٹائپ کو عام طور پر پسند نہیں کیا جاتا لیکن توقع ہے کہ رفتہ رفتہ یہ مغائرت دور ہو جائے گی۔

انجمن کی صدارت نواب عماد الملک مرحوم کے تفویض تھی اور انہوں نے اپنی وفات تک اس کی خاطر خواہ امداد کی اور اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی توجہ اسکی طرف منعطف کرائی۔ جس کی وجہ سے انجمن رقمی امور میں مستغنی ہو گئی۔ ان کے انتقال کے بعد نواب مسعود جنگ بہادر اس کے صدر مقرر کئے گئے اور انہوں نے بھی اس کے سرمایہ کے اضافہ کی طرف خاص طور پر توجہ کی چنانچہ اس وقت تک حیدرآباد کے متعدد قدردان امرائے رقمی عطئے عنایت کئے ہیں۔ جنمیں مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنتہ بہادر کے پانچ ہزار پہلے کے اور ایک ہزار بعد، راجہ پرتاب گیر نرسنگھ گیرجی بہادر کے ایک ہزار، نواب سالار جنگ بہادر کے دس ہزار، اور نواب لطف الدولہ بہادر کے آٹھ سو پینسٹھ کلدار زیادہ تر قابل ذکر ہیں۔

غرض نواب مسعود جنگ بہادر کی توجہ سے انجمن ترقی اردو نے ایک مستقل سرمایہ فراہم کر لیا ہے۔ چنانچہ دو سال قبل یعنے ۱۹۳۲ء تک (۳۵۳۹۳) روپئے پندرہ آنے چھ پائی جمع ہو چکے تھے۔ ان کا ارادہ ہے کہ اس سرمایہ کو ایک لاکھ تک پہونچا دیں۔ اسکے بعد منافع سے کام لیا جائے اور اصل سرمایہ محفوظ رہے۔

انجمن ترقی اردو کا ذکر ختم کرنے سے قبل اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ

اس کی جملہ علمی و عملی کامگاریاں زیادہ تر ایک ہی مخلص اور ثابت قدم کارگزار یعنے اسکے معتمد اعزازی مولوی عبد الحق صاحب کی ان تھک کوششوں اور ہمہ تن مشغولیت کا نتیجہ ہیں۔

یہ تو حیدرآباد کی اُن چند سات علمی وادبی انجمنوں اور اداروں کا ذکر تھا جو عہد عثمانی کے آغاز یا اُس سے قبل ہی سے سرگرم کار ہیں۔ اِن کے علاوہ حیدرآباد میں اور کئی ادارے موجود ہیں جو اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی اس فیاض سرپرستی کے زیر اثر، یا متذکرہ بالا انجمنوں کی کامیابی سے متاثر ہو کر، بعد میں قائم ہوئے، اور زیادہ تر خانگی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِن سب کا ذکر اس کتاب کے حصہ دوم "سلطان العلوم کی سرپرستی کے اثرات" میں شامل رہے گا۔

(۳)

اُردو رسائل و اخبارات

حیدرآباد میں صحافت کی دشواریاں

اعلیٰحضرت کی دلچسپی

تخت نشینی کے وقت کے اخبار و رسائل

تخت نشینی کے بعد پہلے

پانچ سال کے اخبار و رسائل

دوسرے پانچ سال کی صحافتی پیداوار

تیسرے پانچ سال کے رسائل

گزشتہ سات آٹھ سال میں صحافتی ترقی

حیدر آباد کی صحافتی تاریخ ۱۸۵۷ء بلکہ شاید اس کے قبل ہی کے کسی سنہ سے شروع ہوتی ہے۔

عہد حضرت غفران مکاں میں متعدد اردو رسالے اور اخبار نکلے اور بند ہو گئے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی تخت نشینی کے وقت صرف چار پانچ اردو رسائل و اخبار جاری تھے اور اس کے بعد سے اب تک گویا چوبیس سال کے عرصہ میں قریب قریب ساٹھ رسالوں اور اخباروں نے اپنی زندگیوں کا آغاز کیا جن میں سے تقریباً بیس اس وقت تک جاری ہیں اور باقی کے چالیس کچھ اپنی بے ترتیبی اور کچھ عوام کی بے توجہی کی وجہ سے ختم ہو گئے۔ اور یہ بیس اخبار و رسائل بھی جاری نہ رہتے اگر اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی ذاتی دلچسپی اور موقع بہ موقع سرکار کی طرف سے قدر افزائی اور امداد نہ ہوتی۔

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ باوجود عام علمی چہل پہل کے حیدر آباد کی پبلک میں ابھی اخبار و رسائل کے مطالعہ کا جیسا چاہیئے، ذوق نہیں پیدا ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہاں کی طباعت و اشاعت کی دشواریاں، بیرون ملک کے اخباروں اور خاصکر رسالوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں پیدا ہونے دیتیں جسکی وجہ سے یہاں بیرون ملک کے رسائل زیادہ مقبول ہیں، کثرت سے فروخت ہوتے ہیں اور ان کے مقابلے میں مقامی کوششیں اکثر ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ حیدر آباد میں نہ تو بلاک سازی کے کارخانے ہیں اور نہ مطبعوں کی حالت قابل اطمینان ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کتابیں اور رسائل علیحدہ وقت پر شایع نہیں ہوتے، اور نہ وہ دیدہ زیب ہونے پاتے ہیں۔

بہر حال اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پندرہ بیس سال کے اندر عہد سلطان العلوم کی علمی قدردانیوں اور ادبی ترقی کی وجہ سے ملک میں اخبار و رسائل کے مطالعہ سے ایک گونہ دلچسپی پیدا ہو گئی ہے اور جب خود حیدر آباد میں طباعتی سہولتیں مہیا ہو جائیں گی تو لازمی ہے کہ یہاں کے اخبار و رسائل بھی

ترقی کریں گے، اور معنوی خوبیوں کے ساتھ ان کی ظاہری زیب و زینت بھی اس قابل ہو گی کہ بیرونی رسائل کی ریس کر سکیں۔

(۲)

اخبار و رسائل کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی ذاتی دلچسپی کا ثبوت اس سے بڑھکر اور کیا مل سکتا ہے کہ مالی قدردانیوں یعنے سرکاری امداد کے علاوہ خاص اپنے قلم مبارک سے اپنا اور شہزادگان والاشان کا کلام اور دیگر علمی و تنقیدی تبصرے راست اخباروں کے دفتروں پر اشاعت کے لئے روانہ فرماتے ہیں چنانچہ رہبر دکن اور صبح دکن کے روزانہ نمبروں سے اکثر اس کے ثبوت دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اخباروں کے سالناموں اور خاص خاص نمبروں کو بھی اعلیٰ حضرت اسی طرح سرفراز فرماتے ہیں۔ ایک رسالہ ہمجولی کی نسبت بھی اعلیٰ حضرت نے اپنا تبصرہ خود اس رسالے کے مدیر کے یہاں روانہ فرمایا جس کو آپکی اجازت سے بعد کے نمبر میں شایع کرنے کی عزت حاصل کی گئی۔

اس طرح کی غیر معمولی ذاتی دلچسپی کے علاوہ رسائل و اخبارات کی مالی امداد کی نسبت اعلیٰ حضرت کے جو کچھ احکام دستیاب ہو سکے ان کا ذکر اس کتاب کی تمہید میں مندرج ہے محکمہ جات تعلیمات، سیاسیات اور معلومات عامہ سے ہر سال مدرسوں اور دفتروں کے لئے رسائل و اخبارات کی خریداری و امداد کی خاطر ہزارہا روپیہ صرف ہوتا ہے اور بعض بیرونی اخبار و رسائل کے علاوہ حیدرآباد کے شاید جملہ اخبارات کے متعدد پرچے سرکاری طور پر خریدے جاتے ہیں۔ مگر ان امور کی نسبت خاطرخواہ اور تفصیلی معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ تاہم کوشش کی گئی ہے اور جو کچھ معلوم ہو سکا مندرج کر دیا گیا۔

(۳)

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی تخت نشینی کے وقت جن جن اخبار و رسائل کے موجود ہونے کا علم حاصل ہو سکا وہ مشیر دکن، دکن لا رپورٹ، آصفیہ گزٹ اور ادیب الاطفال ہیں۔ مشیر دکن حیدرآباد کا نہایت

قدیم روزنامہ ہے۔ ۲۱ مارچ ۱۸۹۲ء سے شایع ہو رہا ہے اور اب تک اپنی سلامت روی اور وضع کا پابند ہے پہلے چھوٹی تقطیع پر نکلتا تھا۔ ۱۹۳۱ء سے موجودہ شکل اختیار کی۔ حیدر آباد کے اردو اخبار وں میں اپنی متانت اور پابندی وضع کے لحاظ سے قابل ذکر ہے۔ اس کے مالک کشن راؤ صاحب کا ابھی دو سال قبل انتقال ہوا اور ملک کے صحافتی حلقہ میں ان کی ثابت قدمی اور خدمات کا خوبی سے اعتراف کیا گیا۔

آصفیہ گزٹ یکم جون ۱۹۱۱ء م ۳ جمادی الثانی ۱۳۲۹ھ سے یعنے اعلیٰ حضرت کی تخت نشینی سے چند ماہ قبل جاری ہوا۔ یہ ایک ہفتہ وار اخبار تھا جو نواب ممتاز یار الدولہ سکریٹری مدرسہ آصفیہ ملک پیٹھ کی توجہ اور سرپرستی کا نتیجہ تھا۔ مگر دو سال سے زیادہ جاری نہ رہ سکا۔ شعبان ۱۳۳۱ھ سے بند ہو گیا۔

ادیب الاطفال ڈیڑھ جزو کا ایک ماہوار رسالہ تھا۔ جو اعلیٰ حضرت کی تخت نشینی سے ایکماہ قبل یعنے شعبان ۱۳۲۹ھ سے جاری ہوا تھا۔ اسکے مدیر احمد اللہ بیگ صاحب اور نائب مدیر پنڈت رگھوناتھ راؤ درد تھے، یہ بھی چند مہینوں کے بعد موقوف ہو گیا۔ **دکن لا رپورٹ** بھی اعلیٰ حضرت کی تخت نشینی ہی کے سال ۱۳۲۰ف میں جاری ہوا جسکی ترتیب میں بہت سے قابل وکلا حصہ لیتے آئے ہیں۔ ابتدا میں محمد اصغر صاحب (حال نواب اصغر یار جنگ رکن عدالت العالیہ) پنڈت کرراؤ اور پنڈت کیشو راؤ (دونوں بعد میں رکن عدالت العالیہ ہوئے) غلام اکبر خاں صاحب (حال نواب اکبر یار جنگ رکن عدالت العالیہ) اور بابو گیا پرشاد وغیرہ نے اسکی ادارت کی۔

(۴)

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی تخت نشینی کے بعد تصنیف و تالیف کی کثرت اور علمی و ادبی انجمنوں کے قیام کے علاوہ اہل ملک رسائل و اخبارات کی اشاعت کی طرف بھی متوجہ ہوئے چنانچہ پہلے دس بارہ سال میں جو اخبار و رسائل جاری ہوئے انکا ایک اجمالی ذکر یہاں درج کیا جاتا ہے۔

عہد عثمانی میں
تخت نشینی کے چار ماہ بعد ماہ محرم ۱۳۳۰ھ سے حکیم نادر علی صاحب نے ایک رسالہ "گلدستہ نادر"
نکالنا شروع کیا جس میں طرحی غزلیں شامل رہتی تھیں۔ اس کے پانچ ماہ بعد جمادی الثانی م جون ۱۹۱۲ء
سے احمد علی صاحب جودت معتمد انجمن محبوبیہ کوٹلہ عالی جاہ نے ایک ادبی رسالہ "دربار" جاری کیا۔
جس میں نظم و نثر کے مختلف مضامین مندرج رہتے تھے یہ دونوں رسالے زیادہ دنوں تک نہ چل سکے۔

صفر ۱۳۳۱ھ م جنوری ۱۹۱۳ء سے رائے گوبند پرشاد نے اندرون دروازہ دبیر پورہ سے
"شاہد سخن" شایع کرنا شروع کیا۔ دو ماہ بعد ۹ ربیع الثانی سے ایک روزانہ اردو اخبار عثمان گزٹ
عبدالحی صاحب مہتمم عثمان پریس نے مشیر دکن کی تقطیع پر نکالا۔ اور اس مہینہ سے ایک اور روزانہ اخبار
معارف امیر حسن صاحب کے اہتمام سے جاری ہوا مگر یہ سب ایک ہی سال کے اندر بند ہو گئے۔

دوسرے سال ۱۳۳۲ھ میں پولس گزٹ، تاج اور تزک عثمانیہ جاری ہوئے پولس گزٹ
نواب عماد جنگ ثانی کے عہد کوتوالی میں ۱۲ صفر ۱۳۳۲ھ ۱۰ اسفندار ۱۳۲۳ف جاری ہوا۔ ہر ہفتہ اڑتیس
صفحوں میں شایع ہوتا تھا۔ اسی مہینہ سے غلام محمد صاحب وفا کی ادارت میں رسالہ "تاج" شایع ہونے
لگا۔ اس میں نثر کے علاوہ نظم بھی شامل رہتی تھی۔ غالباً دو سال تک جاری رہا۔ اسی سال پہلی رجب سے
مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنت بہادر کی سرپرستی میں اور انہی کی ڈیوڑھی سے ایک رسالہ
تزک عثمانیہ جاری ہوا جو ہمعصر رسائل میں ایک حد تک دیرپا ثابت ہوا اور تاج کی طرح حیدرآباد
میں اردو ذوق کی اشاعت میں بہت کامیاب رہا۔

اس کے بعد کے دو سال میں رہبر مزارعین، ذخیرہ، صحیفہ، اور افادہ جاری ہوئے۔ اول الذکر
رسالہ مظہر حسین صاحب ناظم زراعت کی نگرانی میں شایع ہوتا رہا۔ اس میں زراعت سے متعلق مفید
معلومات اور رپورٹیں شامل رہتی تھیں۔ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ م اکٹوبر ۱۹۱۵ء سے سید ناظر الحسن صاحب
ہوش کی ادارت میں اندرون دروازہ چادرگھاٹ سے ایک رسالہ "ذخیرہ" جاری ہوا جس کیلئے

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم نے ماہانہ پچاس روپئے کی امداد کا حکم دیا۔ اسکے دو مہینے بعد مرزا نظام شاہ صاحب لبیب نے محرم ۱۳۳۲ھ سے رسالہ افادہ جاری کیا اور اس کے لئے بھی اعلیٰ حضرت نے پچاس روپئے ماہوار جاری کر دی۔ ان دونوں رسالوں نے بھی علمی و ادبی مذاق کی اشاعت میں کافی حصہ لیا ہے۔

اسی سال سے اخبار صحیفہ نکلنا شروع ہوا جس کے مدیر کو فخر ہے کہ وہ عہد عثمانی کا سب سے پہلا خادم ملک وملت ہے اور اس لحاظ سے کہ اس سے پیشتر کے جملہ اخبار جاری نہ رہ سکے وہ حق بجانب ہے صحیفہ اصل میں دارالعلوم کے قدیم طلبہ کا ارگن تھا اور پہلے رسالہ کی شکل میں نکلتا تھا جسکی ادارت مشہور استاد سخن کیفی مرحوم کے سپرد تھی۔ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ سے جاری ہوا۔ درمیان میں بند ہو گیا تھا اور آخر کار عہد عثمانی میں ۱۳۳۴ھ سے پھر جاری ہوا۔ اس دفعہ اسکے مدیر مولوی اکبر علی صاحب ہوئے انہوں نے اسکو روزانہ اخبار کی شکل میں بدل دیا اور اب تک پابندی کے ساتھ شایع کر رہے ہیں۔ سرکار سے اخبار مشیر دکن کی طرح اسکی بھی امداد مقرر کی گئی۔ ابتدا میں چھوٹی تقطیع پر نکلتا تھا۔ مگر بعد میں اس نے بھی بڑی تقطیع اختیار کر لی۔

(۵)

یہ تو پہلے پانچ سال کے رسائل و اخبار تھے۔ بعد کے پانچ سال میں اس سے زیادہ اخبار و رسائل جاری ہوئے۔ سب سے پہلے فنی رسالے المعالج، نظائر برٹش انڈیا، اور وقائع دفتر معتمدی مال کا آغاز ہوا۔ پہلا آذر ۲۷ف سے، دوسرا اس سال ماہ فروردی سے، اور تیسرا بھی اس سال ماہ خورداد سے المعالج ایک طبی رسالہ تھا۔ حکیم بشیر احمد صاحب کی ادارت میں نکلا اور سرکار سے اسکی بھی امداد کی گئی نظائر کے مدیر پنڈت ترلوکی ناتھ سہائے تھے۔ چار کمان سے شایع ہوتا تھا اور اس میں پریوی کونسل اور برطانوی ہند کی جملہ عدالت ہائے عالیہ کی نظائر عام فہم اردو میں مندرج کی جاتی تھیں۔ "وقائع" کے مدیر محمد رحمت اللہ صاحب مددگار معتمد مال تھے۔ اس میں موسمی حالات

سررشتۂ مال کے تقررات، تبادلہ و رخصت، اور توسیع و وظیفہ وغیرہ کے علاوہ سررشتہ جات ماتحت کے انتظامات اور احکام بھی درج رہتے تھے۔ یہ تینوں پرچے دیرپا ثابت نہیں ہوئے۔

ان کے بعد اتالیق، ثمرۃ الادب، شعلہ، اور واعظ کے نام قابل ذکر ہیں۔ "اتالیق" کمسن طالب علموں کے لئے عبدالرب صاحب کوکب کی ادارت میں فروردی ۱۳۲۷ف سے جاری ہوا۔ سرکار سے (۲۶۷) پرچوں کی خریداری کا حکم ہوا۔ حیدرآباد میں بچوں اور کمسن طلبہ کے لئے یہ پہلا رسالہ تھا اور کئی سال تک نہایت مفید خدمت انجام دیتا رہا۔ اسکا شمار حیدرآباد کے اُن معدودے چند رسائل میں ہو سکتا ہے جو دیرپا ثابت ہوئے اور مدیر کے سلیقہ اور ذوق کی وجہ سے مقبولیت حاصل کی۔

ثمرۃ الادب۔ اس نام کی ایک انجمن کا رسالہ تھا جسکو دارالعلوم کے طالب علموں نے قائم کیا تھا۔ اس کا ذکر گذشتہ فصل میں گذر چکا ہے۔ رسالہ شعلہ محرم ۱۳۲۷ھ میں پتھر گٹھی سے جاری ہوا اور دلگداز کی تقطیع میں چھپا کرتا تھا۔ واعظ بھی اسی تاریخ سے نکلنے لگا۔ اسکے مدیر عبدالوہاب صاحب عندلیب ہیں جن کا ذکر مصنفوں اور انشا پردازوں کے علاوہ انجمن طلبہ قدیم دارالعلوم کے سلسلہ میں گزر چکا ہے۔ یہ ایک مذہبی رسالہ ہے جو اب تک جاری ہے۔ اور جسکی قریب دو ہزار کاپیاں سرکار میں خریدی جاتی ہیں۔ مذہب اسلام کی نسبت اس میں مفید معلومات شایع ہوتی رہی ہیں۔

ماہ اسفندار ۱۳۲۹ف سے ایک اور اردو رسالہ **دوست**، پنڈت وشنو مادھو راؤ کے اہتمام سے جاری ہوا جس میں قانونی اور عام معلومات کا التزام تھا مگر یہ رسالہ بالکل نہ چل سکا۔ اس زمانہ میں حیدرآباد کے ایک اہم اردو اخبار رہبر دکن کی اشاعت شروع ہوئی جو ۲۶ شہریور ۱۳۳۰ف سے سید احمد محی الدین صاحب کی ادارت میں افضل گنج سے شایع ہو رہا ہے۔ پابندی وقت، خوبی ترتیب اور صحیح ملکی خدمت کے لحاظ سے یہ حیدرآباد کا نہایت وقیع روزنامہ سمجھا جاتا ہے۔

آخر میں النساء اور نونہال کا ذکر بھی ضروری ہے۔ پہلا رسالہ صغرا بیگم (یعنے مسز ہمایوں مرزا جنکا ذکر پہلی فصل میں گزر چکا ہے) کی ادارت میں شعبان ۱۳۳۸ھ سے شایع ہونے لگا اور کئی سال تک جاری رہا سرکار سے اسکے بھی چند پرچے خریدے گئے۔ یہ اس لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے کہ حیدرآباد میں عورتوں کے بہت کم رسالے نکلے اور النساء ان سب میں زیادہ دیرپا ثابت ہوا اور اپنی مدیرہ و مالکہ کی مستعدی، خلوص اور لیاقت کی وجہ سے بہت شہرت حاصل کی۔ اس کے ایک سال بعد رجب ۱۳۳۹ھ سے نونہال کی اشاعت شروع ہوئی جس کے مدیر مرغوب الدین صاحب تھے۔ یہ بھی اتالیق کی طرح بچوں کا رسالہ تھا اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ کئی سال تک جاری رہا۔

(۶)

اعلیٰ حضرت کی تخت نشینی کے بعد سے پہلے دس سال تک کی صحافتی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد ان رسائل کا تذکرہ ضروری ہے جو بعد کے چار پانچ سالوں میں جاری ہوئے اور اپنی اردو خدمات کے لحاظ سے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے نمایش، اردو، اور ترقی شایع ہوئے۔ پہلا رسالہ یکم آذر ۱۳۳۱ف سے مرزا رفیق بیگ صاحب کی ادارت میں نکلا۔ اس میں صنعت و حرفت، تجارت اور زراعت وغیرہ کے مضامین کا التزام کیا گیا تھا۔ سرکار سے قریب دوسو پرچے بطور امداد خریدے جاتے تھے۔ دوسرا انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کا رسالہ ہے جو ماہ جولائی ۱۹۲۱ء سے عبدالحق صاحب کی ادارت میں جاری ہوا۔ اس میں اردو زبان و ادب کے مختلف شعبوں اور پہلوؤں پر مضامین شایع ہوتے ہیں۔ سرکار سے اسکے بھی کافی پرچے خریدے جاتے ہیں۔ رسالۂ اردو نہ صرف حیدرآبادی بلکہ تمام ہندستانی رسائل میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اسمیں اردو کے بہترین محققین اور انشا پردازوں کے مقالے درج ہوتے ہیں۔ نظمیں بہت کم ہوتی ہیں بلکہ اکثر نمبروں میں بالکل نہیں ہوتیں۔ اردو رسائل اور تصنیفات کی نسبت اس میں کبھی کبھی نہایت اعلیٰ درجہ کی تنقیدیں شایع ہوتی ہیں،

رسالہ ترقی ربیع الاول ۱۳۴۱ھ سے ابو المکارم صدیقی صاحب کی ادارت میں شایع ہوا۔ اس میں مختلف موضوعوں پر نہایت دلچسپ اور بلند پایہ مضامین شایع ہوئے مگر افسوس ہے کہ جلد بند ہو گیا۔

۱۳۳۲ف میں دو رسالے جاری ہوئے۔ لسان الملک اور خادمہ۔ پہلے کے مدیر سید محمد ضامن صاحب کنتوری تھے جنہوں نے اس رسالہ کو اس خوبی سے مرتب کیا کہ ہندستان کے اچھے رسالوں میں اس کا شمار ہونے لگا۔ رسالہ خادمہ مریم بیگم صاحبہ اہلیہ ولی الدین صاحب کی ادارت میں شایع ہوا اور النسا کے بعد عورتوں کا دوسرا رسالہ ہے جو ایک حد تک مقبول ہوا۔

۱۳۳۳ف م ۱۹۲۴ء میں بھی دو رسالے نکلے۔ تاج اور المعلم۔ پہلا رسالہ ۱۹۱۴ء میں پہلی دفعہ جاری ہو کر ۱۹۱۶ء تک نکلتا رہا۔ دوسری دفعہ غلام محمد صاحب وفاہی کی ادارت میں خورداد ۳۲ف سے پھر نکلا۔ رگھوناتھ راؤ صاحب درد اسکے مہتمم تھے مگر اس دفعہ بھی یہ رسالہ دیرپا ثابت نہ ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خوبی ترتیب اور مضامین کے اعلیٰ پایہ ہونے کی وجہ سے اس نے بہت شہرت حاصل کی چنانچہ حیدرآباد کے ان چند رسالوں میں شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے اردو کی کماحقہ خدمت کی۔

المعلم بھی اس سال تاج کے تین ماہ بعد محمد حسین صاحب جعفری کی ادارت میں جاری ہوا۔ عظمت اللہ خاں صاحب بھی اس کے مدیر رہے اور اب سجاد مرزا صاحب اسکی ادارت انجام دے رہے ہیں فن تعلیم میں یہ اردو کا واحد رسالہ ہے اور تمام ہندستان میں اسکی شہرت ہے اسکے موجودہ مدیر اپنی فنی قابلیت اور سلیقہ ترتیب کے لحاظ سے ہندستان کی مخصوص ہستیوں میں شمار ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ المعلم کو ایسی غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی اور حیدرآباد کے جملہ رسائل میں اسکی اشاعت سب سے زیادہ ہوگئی

اس زمانہ کے دوسرے رسائل میں النور، سائیں کی صدا، صراط المستقیم، ارتقا، تحفہ، نظام کالج میگزین، اور رہبر تعلیم شامل ہیں۔ پہلے تین رسالے زیادہ تر مذہبی ہیں۔ النور ربیع الاول ۱۳۴۳ھ سے محمد باقر حسین صاحب طارق کی ادارت اور عبد القدیر صاحب صدیقی حسرت کے زیر نگرانی جاری ہوا

اس میں مذہبی کے علاوہ عام علمی مضامین اور نظمیں بھی درج ہوتی ہیں۔ صراط المستقیم کے مدیر ابوالفدا نور محمد صاحب ہیں۔ سائیں کی صدا ماہ مارچ ۱۹۲۵ء سے بھوانی پرشاد صاحب کے اہتمام سے شایع ہونا شروع ہوا۔ اس میں سری ست گرو اپاسنی بابا کے نصائح اور اقوال کے علاوہ تصوف سے متعلق مضامین بھی شایع ہوا کرتے تھے۔

انجمن ارباب اردو سرور نگر کا رسالہ تحفہ محرم ۱۳۴۳ھ سے جاری ہوا۔ عالی رفاعی صاحب معتمد انجمن اور عمر یافعی صاحب نے اسکی ترتیب میں اچھے ذوق اور توجہ سے کام لیا۔ اور انہی دونوں کے ایثار اور کوششوں کی وجہ سے اس رسالہ نے اردو کی بہت اہم خدمات انجام دیں۔ اس کے اکثر مضمون نگار آج حیدرآباد کی علمی وادبی دنیا میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ آخر میں اسکی ترتیب وغیرہ کے کام میں مصنف کتاب نے اور پھر عبدالرزاق صاحب راشد نے بھی دلچسپی لی۔ کئی سال تک جاری رہا۔

تحفہ کی طرح ارتقا بھی ایک علمی اور ادبی رسالہ تھا جو بوین پلی سکندرآباد سے محمد فضل شریف صاحب کی ادارت میں شایع ہوتا تھا اور کئی سال تک اردو کی خدمت کرتا رہا۔ آخر میں احمد عبداللہ صاحب مسدوسی اور پھر مصنف کتاب نے بھی اسکی ترتیب میں حصہ لیا۔ نظام کالج میگزین طلبہ کا ماہوار اردو رسالہ تھا جو اس زمانہ میں نکلا اور چند اچھے نمبر شایع کرنے کے بعد بند ہوگیا۔ رہبر تعلیم بھی ایک ہی سال میں بند ہوگیا۔ سکندرآباد سے شایع ہوتا تھا۔

(۷)

متذکرہ بالا بیالیس ۴۲ رسائل واخبار اعلیٰ حضرت کی تخت نشینی کے بعد پہلے پندرہ سال کے اندر جاری ہوئے تھے ان کے بعد گزشتہ پانچ سات سال کے عرصہ میں تقریباً بیس اور اخبار و رسائل نکلے ہیں جن میں زیادہ تعداد ہفتہ وار اخبارات و رسائل کی ہے۔

۱۳۳۶ف میں تین رسالے نکلے۔ مجلۂ عثمانیہ، تجلی، اور آئین دکن، پہلا کلیہ جامعہ عثمانیہ کے

طلبہ کا سہ ماہی رسالہ ہے جو مصنف کتاب اور سید معین الدین صاحب قریشی کی ادارت میں جاری ہوا۔ ہر سال کالج کے طلبہ میں سے اس کے لئے مدیر منتخب ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت تک متعدد مدیروں نے اسکی خدمت کی جن میں سید محمد اکبر وفا قانی صاحب، جلال الدین صاحب اشک، غلام دستگیر صاحب رشید وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس سال غلام محمد خاں صاحب اس کے مدیر ہیں۔ مدیروں کے تغیر و تبدل کے ساتھ ساتھ رسالہ کے معیار میں بھی کچھ نہ کچھ فرق آتا گیا۔ مگر بحیثیت مجموعی مجلۂ عثمانیہ اردو کا نہایت اہم اور معیاری رسالہ ثابت ہوا ہے۔ حیدرآباد سے باہر بھی اسکے تحقیقی اور تنقیدی مضامین کو وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ابتدا میں اس کے نگران کار ڈاکٹر محمد نظام الدین صاحب تھے اور اب پروفیسر عبدالحق صاحب اور مصنف کتاب ہذا اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔

رسالۂ تجلی بھی سہ ماہی تھا۔ اس کے مدیر سردار علی صاحب نے ماہ شہریور ۱۳۳۲ف سے اسکو جاری کیا اور عرصہ تک نہایت خوش اسلوبی سے نکالتے رہے۔ اسمیں اعلیٰ پایہ کے تاریخی اور تنقیدی مضامین شایع ہوتے تھے۔

آئین دکن پہلی بار سنہ ۱۳۰۲ف میں فدا حسین صاحب کی ادارت میں نکلا تھا۔ سنہ ۱۳۳۶ف سے پی انبا داس راؤ صاحب نے اسکو پھر نکالنا شروع کیا۔

گذشتہ پانچ سات سال کا زمانہ متعدد ہفتہ واری اخباروں کی اشاعت کی وجہ سے دکن کی صحافتی تاریخ میں خصوصیت رکھتا ہے۔ رعیت، نظام گزٹ، دکن پنچ، الحمایت، دکن گزٹ اور الاعظم اس دور کے ہفتہ وار اخبار ہیں جنہوں نے اپنی اپنی جگہ اردو صحافت اور حیدرآباد کی اردو ترقی میں اضافہ کیا رعیت نرسنگ راؤ صاحب کی ادارت میں پہلی دفعہ ۲۸ آذر سنہ ۱۳۳۶ف سے نکلنا شروع ہوا مگر بعض مضامین کی وجہ سے اردی بہشت سنہ ۱۳۳۹ف سے بند کرادیا گیا تھا۔ دوبارہ سنہ ۱۳۴۳ف سے اس کا اجرا ہوا۔ یہ اخبار نہایت جانفشانی اور سلیقہ سے مرتب کیا جاتا اور حیدرآباد کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور

نوجوان طبقہ میں بہت مقبول ہے۔

نظام گزٹ یکم رجب ۱۳۴۶ھ سے وقار احمد صاحب اور حبیب اللہ رشدی صاحب کی ادارت میں جاری ہوا۔ اب صرف اول الذکر ہی اسکے مدیر ہیں۔ یہ اخبار بھی مقبول ہے دکن پنچ نام کا اخبار پہلی دفعہ ۲۸ فبروری ۱۹۰۸ء سے حیدرآباد سے نکلا تھا مگر بعد میں شیر دکن کے نام سے شایع ہونے لگا۔ اور دکن پنچ ماہواری رسالہ کی شکل میں چار پانچ مہینے تک نکلکر بند ہوگیا۔ ۷ جنوری ۱۹۲۹ء سے حکیم جگناتھ پرشاد صاحب کی ادارت میں ایک ہفتہ وار اخبار دکن پنچ پھر جاری ہوا جس میں ظریفانہ مضامین کا التزام کیا گیا۔ الحمایت بھی ہفتہ وار اخبار ہے جو محمد نصیر الدین صاحب کی ادارت میں۔ ۱ رمضان ۱۳۴۷ھ سے شایع ہونے لگا دکن گزٹ۔ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ م ستمبر ۱۹۲۶ء سے جاری ہوا۔ ڈاکٹر غلام جیلانی اسکے مدیر ہیں الاعظم ۹ بہمن ۱۳۴۲ف سے اصل میں ناندیڑ گزٹ کے نام سے ضلع ناندیڑ سے شایع ہونے لگا تھا۔ بعد میں عقد شہزادگان والاشان کی یادگار میں اس نے اپنا نام الاعظم قرار دیا۔ اسکے مدیر حکیم غفران احمد صاحب انصاری ہیں۔

اس سلسلہ میں اس زمانہ کے اخباروں کا ذکر بھی ضروری ہے صبح دکن اور منشور، پہلے کے مدیر احمد عارف صاحب ہیں جن کے سلیقہ اور قابلیت نے نہایت قلیل عرصہ میں صبح دکن کو کافی مقبول بنا لیا۔ منشور عبدالرحمٰن صاحب رئیس کے زیر ادارت شایع ہوتا ہے جو مقنن کے بھی مدیر ہیں۔ یہ حیدرآباد کا پہلا اخبار ہے جو ٹائپ میں نکلا اور ملک و مالک کے مفاد کی خاطر ہمیشہ اپنی آزاد رائے ظاہر کرتا ہے۔

اس اثنا میں حیدرآباد سے چند اچھے رسالے بھی جاری ہوئے جنمیں پہلے مجلہ مکتبہ، ورزش جسمانی، تاریخ، سائنس، حیدرآباد ٹیچر، مشاعرہ، نورس، اور بعد میں ہمجولی، کشافہ، شہاب، حسن کار، سفینہ، خلیق، ترجمان القرآن، مجلہ تحقیقات علمیہ، اور الموسیٰ وغیرہ کا ذکر ضروری ہے۔

مجلہ مکتبہ اپریل ۱۹۲۷ء م خورداد ۱۳۳۶ف سے جاری ہوا۔ مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی محدود کا رسالہ ہے جسکی ادارت عبدالقادر صاحب سروری کے سپرد ہے تنقیدی مقالوں اور اعلیٰ درجہ کے

مغربی افسانوں کے ترجموں کی اشاعت کے باعث اس رسالہ کو خاص اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔

ورزشِ جسمانی ایک سہ ماہی رسالہ ڈسمبر ۱۹۲۸ء سے محمد صالح صاحب کی ادارت میں نکلا۔ اسکے ایک مہینہ بعد **تاریخ** حکیم شمس اللہ قادری صاحب کی ادارت میں جاری ہوا۔ اپنے موضوع پر اردو کا واحد رسالہ ہے۔ **سائنس** انجمن ترقی اُردو کا دوسرا رسالہ ہے جو اس سال جاری ہوا جس میں سائنس کے مسائل کو عام فہم زبان میں پیش کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ اسکے پہلے مدیر ڈاکٹر مظفر الدین قریشی صاحب تھے اور اب پروفیسر نصیر احمد صاحب اس خدمت کو انجام دے رہے ہیں۔ **حیدرآباد ٹیچر** محکمۂ تعلیمات کا نیم سرکاری پرچہ ہے جو پہلے جامعہ عثمانیہ کے ایک سپوت ولایت علی صاحب مرحوم کی ادارت میں نکلا اور اب ندیم الحسن صاحب تاثیر اسکے مدیر ہیں۔ **مشاعرہ** نور اللہ محمد نوری صاحب کی ادارت میں نکلا اور چند دلچسپ نمبروں کے بعد بند ہوگیا۔ **نورس** ورنگل آباد کالج کے طلبہ کا سہ ماہی رسالہ ہے جسکے مدیر وہیں کے طلبہ ہوتے ہیں۔ انجمن ترقی اُردو کے ٹائپ میں نکلا۔ اس کے خاص نمبر اردو ادب میں اضافہ سمجھے جاسکتے ہیں۔ **کشافہ** بھی بالعموم طلبہ کا رسالہ ہے جو تحریک اسکاوٹ کی وجہ سے جاری ہوا۔ حمید اللہ صاحب اسکے پہلے مدیر ہیں۔

ہمجولی، سفینہ، خلیق، ترجمان القرآن اور شہاب بھی اس دور کے اچھے رسالے ہیں۔ پہلا خوشنگی بیگم کی ادارت میں نکلا اور ترتیب وطباعت کی خوبیوں کی وجہ سے ہندستان بھر میں شہرت حاصل کرلی النساء اور خادمہ کی طرح عورتوں کا رسالہ ہے۔ مگر اس میں مردوں ہی کے مضامین کثرت سے شایع ہوئے **سفینہ** بھی عورتوں کا رسالہ ہے جو اختر قریشی کی ادارت میں پابندی سے شایع ہوتا رہا ہے۔ **شہاب** عبدالرزاق صاحب بسمل کی ادارت میں جاری ہے۔ دو تین سال سے حیدرآباد میں اردو ادب کی خدمت میں خاص طور پر سرگرم ہے۔ **خلیق** اور **ترجمان القرآن** دونوں مذہبی رنگ کے پرچے ہیں اور خوش اسلوبی سے مرتب کئے جاتے ہیں۔ پہلے کے مدیر مرزا امام بیگ صاحب اور سرپرست حضرت سید محمد بادشاہ حسینی صاحب

ہیں۔ دوسرے کی ادارت ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے سپرد ہے۔

حسن کار دو سال سے جاری ہے ہفتہ میں دو بار شایع ہوتا ہے اسکے مدیر سید محمد اکبر وفا قانی صاحب کو آرٹ سے خاص دلچسپی ہے اور انکا مصور حسن کار اس موضوع پر اردو زبان کا خاص رسالہ ہے۔ اس میں لیتھو کی طباعت اور تصویروں کا خاطر خواہ اہتمام کیا جاتا ہے۔

مجلہ تحقیقات علمیہ کلیہ جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ کی تحقیقات کا ترجمان ہے اور بطور سالنامہ کے شایع ہوتا ہے۔ اس کی مجلس ادارت میں عبد الرحمٰن خاں صاحب، عبد الحق صاحب، اور ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب شامل ہیں۔

الموسی حیدرآباد کی مشہور درسگاہ سٹی کالج کے طلبہ کا رسالہ ہے جس کے مدیر وہیں کے طلبہ ہوتے ہیں۔ اس وقت تک اس کے دو نمبر شایع ہو چکے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اساتذہ اور صدر کلیہ کی نگرانی میں وہ کامیاب ثابت ہوگا۔

تذکرہ اخبار و رسال کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ حیدرآباد کی انجمن صحافت کا ذکر بھی کر دیا جائے جو حال ہی میں محمد عبد الرحمٰن صاحب رئیس مدیر منشور، نرسنگ راؤ صاحب مدیر رعیت، اور سید احمد محی الدین صاحب مدیر رہبر دکن کی متفقہ مساعی سے قائم ہوئی ہے۔ اب تک اس کے چند ابتدائی جلسے ہوئے ہیں اور توقع ہے کہ اگر اس کی بنیادیں مستحکم ہو سکیں تو حیدرآباد کی صحافت کا مستقبل امید افزا ہوگا۔

حیدرآباد کے گذشتہ چوبیس سال کے ان اڑسٹھ (۶۸) رسائل و اخبارات کا ذکر کرنے کے بعد ان کی تعداد پر فخر کرنا بیجا نہ ہوگا اگر ان کی حالت اور بہتر ہوتی۔ ان میں سے اکثر تو ان غنچوں کی طرح اپنے مدیروں اور بہی خواہوں کو حرماں نصیب کر گئے جو بن کھلے مرجھا گئے ہوں۔ ان کے علاوہ جو معدودے چند سخت جاں ثابت ہوئے اور اب تک باقی ہیں وہ ابھی اتنے سرسبز و شاداب

نہیں ہیں کہ دوسری ترقی یافتہ زبانوں یا کم از کم اردو کی حریف ہندی ہی کے اخبار و رسائل کی ہمسری کر سکیں۔ ضرورت ہے کہ جملہ بہی خواہان اردو اپنی صحافت کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوں اور اپنی زبان کی اس زبردست کمی کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

حیدرآباد اپنی حد تک تو اردو صحافت کی خدمت میں بھی سرگرم ہے اور اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی مرحمت خاص اور دلچسپیاں یہاں اس کی مقبولیت میں ممد و معاون ثابت ہو رہی ہیں اگرچہ ازمنہ گذشتہ کے مقابلہ میں یہ بھی کچھ کم کامیابی نہیں ہے لیکن اس بارے میں ابھی بہت کچھ اصلاح و ترقی کی گنجایش ہے جو ایک طرف تو خود مدیرین کی محنت، سلیقہ، اور احساس ذمہ داری پر منحصر ہے اور دوسری طرف عوام کی قدردانی اور دلچسپی پر۔

۴

جامعہ عثمانیہ کی تشکیل

ا۔ مختلف ابتدائی تحریکات

عہد مختار الملک ۔ عہد عماد السلطنۃ ۔ عہد وقار الامرا

تحریکات طلبۂ قدیم دار العلوم ۔ ایجوکیشنل کانفرنس

ب۔ قیام جامعہ

عرضداشت سر حیدر نواز جنگ بہادر ۔ منشور خسروی

افتتاح کلیہ جامعہ عثمانیہ ۔ دیگر کلیہ جات ۔ سالانہ اخراجات

عہد عثمانی کا سب سے درخشاں کارنامہ جس نے زبان اردو کی بنیادوں کو ہمیشہ کیلئے مستحکم کر دیا اور اس کے لئے ترقی کی سینکڑوں راہیں پیدا کر دیں، جامعہ عثمانیہ کا قیام ہے۔ ملک میں اس قسم کے ادارے کی ضرورت یوں تو تیس چالیس برس قبل ہی سے محسوس ہونے لگی تھی، اور عہد آصفجاہ سادس میں دو چار مرتبہ تحریر و تقریر کے ذریعہ سے اہل ملک نے اس اہم کام کی طرف توجہ دلائی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ وقت نہیں آیا تھا اور اس اہم کام کی بنیاد حضرت سلطان العلوم کے مبارک ہاتھوں سے رکھی جانے والی تھی، اس لئے اُس زمانہ میں وہ تمام تحریکیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔

اس قسم کی پہلی تحریک آج سے قریب ساٹھ سال اور قیام جامعہ عثمانیہ سے پینتالیس سال قبل کی گئی تھی۔ اس کے محرک مولوی شیخ احمد حسین خاں بہادر نواب رفعت یار جنگ مرحوم ہیں جنہوں نے ایک ایسی وسیع اور قومی درسگاہ کے قیام کی ضرورت محسوس کر کے ماہ شعبان ۱۲۹۲ھ میں اپنے ہم عصر امرا اور اہل علم و فضل سے درخواست کی تھی کہ اس طرف متوجہ ہوں اور اس قومی و ملکی کام میں انکا ہاتھ بٹائیں۔ اس دعوتِ عمل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی مروجہ فارسی تعلیم و تعلم کو وہ ناقص اور نامناسب قرار دیتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ایک ایسی درسگاہ قائم ہو جہاں اردو اور مختلف علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم ہو، اور انگریزی محض اتنی سکھائی جائے کہ جدید علوم و انکشافات کو اُس کے توسط سے سمجھ سکیں۔ اس کے ساتھ انکی یہ رائے بھی تھی کہ اس درسگاہ میں عدالت اور مال وغیرہ کی بھی تعلیم ہو اور دینیات بھی لازمی رہے۔

یہ سب امور قریب قریب وہی ہیں جو جامعہ عثمانیہ کی تشکیل اور تعلیمی نظام العمل میں مضمر ہیں۔ چونکہ یہ تحریک نہایت تفصیلی ہے اور تین مطبوعہ فلسکیپ صفحوں پر مندرج ہے۔ اس لئے ہم یہاں اُسکے صرف جستہ جستہ انتخابات پیش کرتے ہیں تاکہ اسکی نوعیت اور آج سے ساٹھ سال قبل کے حیدرآبادی رجحان

ترقی و اصلاح کا اظہار ہو سکے علم کی ضرورت اور اُس زمانہ کی تعلیمی نقایص کے تذکرہ کے بعد لکھا ہے کہ:-

"ہر گاہ کہ غور می شود بدریافت می رسد کہ دریں دیار نہ تعلیم عام مفید و کافی است، و نہ تعلیم خاص و ہمچناں نہ طرز تعلیم درست است، و نہ کتب متداولہ مناسب - زیرا کہ در تعلیم عام واقفیت بر تاریخ، و جغرافیہ، و حساب، و اقلیدس، و جبر و مقابلہ تا حدے معین ضروری است - و دریں جا بقدر گذاشت ایں ہمہ صرف بر آموختن زبان فارسی حسب رواج اکتفا می شود - و آں ہم با وجود ضایع شدن اکثرے از اوقات عمر عزیز چناں کہ باید نفع بطالبین حاصل نمی شود۔"

پھر ملک کی افسوسناک تعلیمی حالت پر تبصرہ کر کے درسگاہ کے قیام کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ

"دریں مدرسہ اولاً تعلیم زبان اردو، و حساب و جغرافیہ و اقلیدس و جبر و مقابلہ تا حدے کہ باتفاق آرا معین باشد بعمل آید.......... و اہتمام علوم دینیہ ہم بطریقے شود کہ ازاں در اندک عرصہ بر اصول دینیات واقف شدہ برائے متعلم مذاقے کافی بہم رسد۔"

یہ تو علوم و فنون اور دینیات کی تعلیم کی طرف اشارہ تھا۔ چند سطروں کے بعد انگریزی کی نسبت لکھا ہے کہ:-

"و برائے انگریزی کہ بنظر رواج تعلیمش ضروری دانستہ می شود، بدیں نمط اہتمام رود کہ صرف تعلیم زبان یعنے تحصیل انشاء در انگریزی کافی دانستہ شود - و آنچہ بالفعل مردم برائے تحصیل جملہ علوم بانگریزی عادت کردہ اند و حق انیست کہ تحصیل آن علوم و فنون بمردم ہند در زبان انگریزی بوجوہ کثیرہ قطعاً دشوار، و موجب تضیع اوقات است، ازاں باز داشتہ آید۔"

اس کے بعد شعبۂ قانون وغیرہ کی نسبت لکھا ہے کہ:-

"و نیز دریں مدرسہ اہتمامے برائے تعلیم قواعد عدالت و مال وغیرہ بطرزے شایستہ کار رود۔"

آخر میں اس امر کا بھی ذکر موجود ہے کہ نواب مختار الملک بہادر نے اس تحریک کو پسند کیا ہے چنانچہ ان کی رائے نقل کی گئی ہے جس میں کے چند جملے یہ ہیں -

"سہہ را حرفاً حرفاً دیدم، و مسرور شدم، و تحسین کردم، خدا کند کہ تمام اہل ملک را محبت ملکی و قومی

معقولیت حاصل شود، در اکثر مطالب اتفاق دارم، و ایں تدبیر را مفید می پندارم۔"

غرض یہ تحریک نواب سالار جنگ اول کے زمانہ کی ہے مگر معلوم نہیں ہوسکا کہ ان کی منظوری اور خوشنودی کے باوجود ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی اور مکمل درسگاہ کیوں قائم نہ ہوسکی۔ البتہ نواب رفعت یار جنگ اول کا قائم کیا ہوا مدرسہ اعزہ اب تک موجود ہے جو انکی تعلیمی دلچسپی اور جد و جہد کی یادگار ہے۔[۱]

(۲)

اسی قسم کی ایک اور تحریک اس کے نو دس سال بعد مختار الملک مرحوم ہی کے جانشین نواب عماد السلطنۃ سالار جنگ ثانی کے زمانہ میں رونما ہوئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ۲۲ اپریل ۱۸۸۵ء م ۱۳۰۱ھ کو باغ عامہ میں نظام یونیورسٹی کی خیالی بنیاد ڈالی تھی جو اصل میں برطانوی پارلیمنٹ کے ایک رکن مسٹر بلنٹ کے تخیل جامعہ مشرقیہ پر مبنی تھی۔ یہ جلسہ نہایت کامیاب سمجھا گیا اور اس لحاظ سے بھی وہ اپنی نوعیت کا پہلا اور اہم جلسہ تھا کہ حکمران وقت نے اسکی صدارت کی تھی۔ اعلیٰ حضرت غفران مکان کا اس میں بہ نفس نفیس تشریف فرما ہونا ظاہر کرتا ہے

---

[۱] نوٹ :- نواب رفعت یار جنگ اول کی تعلیمی دلچسپی کی تفصیل "تاریخ دار العلوم" (مطبوعہ مطبع صحیفہ سے) بھی معلوم ہوتی ہے جسکو آج سے اکیس سال قبل مدرسہ دار العلوم کی ساٹھ سالہ جوبلی کے موقع پر بتاریخ ۱۴ شوال ۱۳۳۲ھ اس عظیم الشان جلسہ میں مولوی سید اللہ صدیقی صاحب (حال نواب صدیق یار جنگ بہادر رکن عدالت العالیہ) نے پڑھکر سنایا تھا جسکی صدارت نواب سالار جنگ ثالث مدار المہام وقت نے کی تھی۔ اس میں ناموران دار العلوم کے سلسلہ میں صفحہ چھ پر لکھا ہے کہ :-

نواب رفعت یار جنگ سابق صوبہ دار جنہوں نے مغربی علوم و فنون کی اشاعت، تعلیم انگلستان کی ضرورت، سب سے پہلے ملک میں محسوس کی۔ نظام کلب انہیں سے حیدرآباد میں قائم ہوا۔ مدرسہ اعزہ کی قومی اصول پر بطور علی گڈھ کالج بنا ڈالی اور قرار دیا کہ علوم قدیمہ و ضروریات زمانہ بمنزلہ دو آنکھوں کے ہیں وغیرہ۔

ہ ان کو بھی شعر و سخن کے اعلیٰ ذوق کے علاوہ علم و فضل اور رعایا کی فلاح و بہبود سے خاص دلچسپی تھی۔

مگر اس شاندار کارروائی کے باوجود افسوس ہے کہ تحریک قیام جامعہ کا چرچا اسی جلسہ اور اس کے بعد چند دنوں تک ہوتا رہا۔ چنانچہ جب اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد اعلیٰ حضرت غفراں مکاں اور نواب عماد السلطنتہ وغیرہ نیلگیری تشریف لے گئے، اور وہاں سر سید احمد خاں مرحوم بھی پہنچے تو "جریدۂ روزگار" نے یہ خبر شائع کی کہ

"ہم سمجھتے ہیں کہ صاحب ممدوح نظام یونیورسٹی کی بنا کی مشورت کے لئے طلب کئے گئے ہیں"۔

مگر بقول محمد مرتضیٰ مرحوم "یہ خبر صحیح ہو نہ ہو مگر اس سے یہ نظر آسکتا ہے کہ یہ خیال عام دماغوں میں کس قدر پر جوش بن رہا تھا۔ ہندستان سے گذرتے ہوئے اس خیالی یونیورسٹی کا شہرہ لندن تک پہنچا، اور قریب قریب محمڈن یونیورسٹی کی اسکیم کے اسکی اسکیم بھی مرتب ہوئی، مگر وہ ایک بجلی تھی جو چکی اور غائب ہو گئی"۔ (روح ترقی ص۵۲)

(۳)

اس واقعہ کے کئی سال بعد نواب سر وقار الامرا کے عہد وزارت میں بھی جہاں متعدد علمی و ادبی تحریکات خود مدار المہام کے علمی ذوق کی وجہ سے سرسبز ہونے لگیں تو قیام جامعہ کے خیال میں بھی تجدید ہوئی چنانچہ ۱۸۹۴ء میں جو جلسہ تقسیم انعامات نظام کالج میں حضرت غفراں مکاں کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ اس میں سر وقار الامرا نے اسکی وضاحت کی تھی۔ مگر اس عہد کی دوسری تحریکوں کی طرح یہ تحریک بھی غالباً قحط اور دوسری مشکلات کے باعث دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ عزیز مرزا مرحوم (معتمد تعلیمات و عدالت) کی مستعدانہ توجہ اور نواب فخر الملک بہادر (معین المہام تعلیمات) کی ہمدردی اور حمایت کی وجہ سے مدرسہ دار العلوم کے ایک مشرقی یونیورسٹی میں تبدیل ہو جانے کے اتنے زیادہ امکانات پیدا ہو گئے تھے کہ شبلی نعمانی مرحوم نے جو اس وقت ناظم ندوہ تھے "الندوہ" میں لکھدیا کہ وہ دار العلوم ندوہ کو اس مشرقی یونیورسٹی سے ملحق کر دیں گے۔

(۴)

غرض اس قسم کی جملہ تحریکیں ناکام رہیں۔ مگر اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانہ میں حیدرآباد میں عام طور پر علمی بیداری پیدا ہو چلی تھی۔ اور خاصکر دارالعلوم کے فیض یافتوں نے ملک کے علمی ارتقاء کیا خاطر خواہ جد و جہد شروع کر دی تھی۔ ملا عبدالقیوم مرحوم، مولوی اکبر علی، رضی الدین حسن کیفی مرحوم، مولوی عبدالقدیر صدیقی، محمد مرتضیٰ مرحوم، مولوی مرزا محمد بیگ، اور مولوی محمد مظہر وغیرہ جیسے درجنوں صاحب علم و فضل اور اہل دل افراد پیدا ہو گئے تھے، جنہوں نے اپنی زندگیاں اسی علمی و ادبی جد و جہد میں گزار دیں اور حیدرآباد کی ترقی کی نسبت تحریر و تقریر اور نظم و نثر کے ذریعہ سے تخلیقی خیالات کی اشاعت کی۔ ان سبھوں کی دلی آرزو تھی کہ ملک میں ایک اپنی یونیورسٹی قائم ہو اور اس کا ذریعۂ تعلیم اردو ہو۔ چنانچہ عہد حضرت سلطان العلوم میں جب اِن کی مایوسیاں کامیابیوں کی شکل میں منتقل ہونے لگیں تو انہوں نے ایک انجمن طلبۂ قدیم دارالعلوم قائم کی۔ جس کا تفصیلی ذکر گذر چکا ہے۔ اِن کے مطبوعہ ضابطہ میں بھی انجمن کا ایک مقصد یہی درج کیا ہے کہ ”دارالعلوم کے یونیورسٹی کے درجہ پر پہنچنے کی کوشش کرنا۔“

(۵)

دارالعلوم ہی کے ایک فارغ التحصیل نے قیام جامعہ عثمانیہ سے پندرہ سولہ سال قبل (یعنے ۱۳۲۲ھ میں) ایک کتاب ”روح ترقی“ لکھی جس میں اس سوال کا جواب دیا گیا تھا کہ حیدرآباد کیوں ترقی نہیں کرتا۔ اس کے مصنف (محمد مرتضیٰ مرحوم) نے اس خیال کو نہایت وضاحت سے پیش کیا تھا کہ اردو زبان ہی کو ذریعۂ تعلیم قرار دینا چاہئے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

”ابنائے ملک اسی وقت ترقی کر سکتے ہیں جبکہ وہ اپنی اس عام زبان (اردو) کو تازہ رکھیں۔ مغربی سیلاب کے ساتھ اس آواز کی ترقی اس مجنونانہ ٹر کی تکذیب کرتی ہے کہ ایک دن مغربی زبان (انگریزی) ہماری اصلی زبان ہو جائے گی۔ ایسا خیال قدرت کے ساتھ بے سود جنگ کی تیاری ہے جس میں

ناکامی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں۔ وہ دکن ہے جس نے ملکی لحاظ سے اردو کی ضرورت سمجھی، اور رہنگا نیعالی (آصف جاہ سادس) کے عہد میمنت مہد میں اردو کو یہ عظمت نصیب ہوئی کہ وہ ہندستان کی اعلیٰ دیسی حکومت کی سرکاری زبان ہے حضور شاہ دکن کی مربیانہ نظر عاطفت اور فیض عام نے ہی اردو زبان کے اعلیٰ سے اعلیٰ مصنفین کو یہ طاقت بخشی کہ وہ اپنے گراں پایہ نتائج علم کو جو دوسرے نامور علمی مرکزوں کے پرمغز جدید تحقیقات سے گھٹے ہوئے نہ ہوں) دنیا کے روبرو پیش کریں جن سے اردو زبان کلاسیکل زبانوں کی اعلیٰ صف میں نظر آئے۔ اس بناء پر اب حیدر آباد اردو کا اصلی مرکز ہوسکتا ہے اور سلطنت کا استحکام اس میں منحصر ہے کہ اس شاہی زبان کو عام ملکی تعلیم کا آلہ قرار دیا جائے اسی میں شاہ کی اطاعت ہے اور اسی میں ملک کی بہبودی، اردو عام تعلیم کیلئے کافی صلاحیت رکھتی ہے اور اس کے برخلاف بیانات محض بکواس ہیں۔" (روح ترقی صفحہ ۲۵-۲۶)

معلوم ہوتا ہے کہ قیام جامعہ کی نسبت جو تحریکیں "روح ترقی" کی تصنیف کے وقت تک ناکام ثابت ہوئی تھیں اُن کی وجہ سے اہل ملک کچھ مایوس سے ہو چلے تھے۔ چنانچہ اس کتاب میں محمد مرتضیٰ مرحوم نے یونیورسٹی کے جملہ شعبوں مثلاً طب، انجنیری، جنگلات، صنعت وحرفت، قانون، تعلیم المعلمین، وغیرہ کے قیام کی نسبت اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور آخر میں "نظام یونیورسٹی" کا عنوان بھی قائم کیا ہے، مگر اسکی نسبت گذشتہ ناکامیوں کی طرف اشارہ کرکے صرف یہ لکھدیا ہے کہ:-

"آج اگر ہم نظام یونیورسٹی کا نعرہ مارنے لگیں تو ظاہر ہے کہ اس سے کوئی اثر مرتب نہیں ہوسکتا۔ اس لئے تا بمقدور ایسی تجویزیں پیش کی گئی ہیں جو سہل الحصول کہی جاسکتی ہے۔ بڑا حصہ ایسا ہے جن کے جاری ہونے میں کسی قسم کی علمی ومالی دقتیں حائل نہیں ہیں۔" (روح ترقی صفحہ ۵۲)

(۶)

غرض دقتوں اور مایوسیوں کی ایسی فضا پیدا ہو چلی تھی کہ اعلیٰ حضرت آصفجاہ سابع تخت نشین ہوئے

اور جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے خاص اہتمام کے ساتھ ملک کی ہر جہتی فلاح و بہبود کی کوششیں شروع کیں۔ اب اہل ملک کو اپنا بھولا ہوا خواب یاد آگیا اور وہ محسوس کرنے لگے کہ یہی وہ عہد کامرانی ہے جس میں اعلی سے اعلی امیدیں کامیاب اور بلند سے بلند حوصلے پورے ہوسکیں گے۔ جواں سال اور جواں بخت بادشاہ کے ذوق علم و فضل کی وجہ سے جب ملک میں ہر طرف علمی و ادبی چہل پہل نظر آنے لگی تو قیام جامعہ کی نسبت بھی سرگوشیاں شروع ہوئیں چنانچہ ماہ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ میں طلبہ قدیم دارالعلوم ایک جگہ جمع ہوئے، ایجوکیشنل کانفرنس کا خاکہ قائم کیا، اور جیسا کہ گذشتہ فصلوں میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے، اہل ملک کے نام ایک اپیل شایع کی۔ جس میں اظہار مقاصد وغیرہ کے سلسلہ میں قیام جامعہ کی بھی خواہش ظاہر کی گئی اور لکھا گیا کہ:-

"ایک یونیورسٹی کے لئے مواد مہیا ہے۔ مختلف امتحانات علمی، قانونی، طبی، انجینرنگ، سول سروس و دیگر سررشتہ جات متعلقہ سب یہاں ہوتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ سب ایک سلسلہ میں رابطہ ہوں۔ تمام امتحانات میں جہتہ جامعہ ملحوظ رہے۔ کانفرنس کو یقین ہے کہ وہ دن دور نہیں ہے جبکہ نظام یونیورسٹی عملاً ہمارے نوجوانوں کی زندگی کا محور بنے۔" (روئداد کانفرنس صفحہ ۸)

(۷)

اسی سال ماہ شوال میں دارالعلوم کی ساٹھ سالہ جوبلی منائی گئی۔ اس میں بھی قیام جامعہ کی نسبت تحریک کی گئی اور اس امر کی طرف اس طرح توجہ دلائی گئی کہ:-

"ہمارے ملک میں دارالعلوم قائم ہے جس کے امتحانات ہمارے ہی ہاتھ میں ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان امتحانات کی بنا مستحکم طور سے قائم ہو۔ یا بالفاظ دیگر نظام یونیورسٹی قائم کی جائے۔ مشرقی یونیورسٹی قائم ہونے کے لئے حیدرآباد میں کوئی دقت نہیں ہے وغیرہ۔" (تاریخ دارالعلوم مطبوعہ مطبع صحیفہ صفحہ ۱۱)

یہ تحریک اور طلبہ قدیم دارالعلوم کی متذکرہ اپیل نہایت کامیاب ثابت ہوئی چنانچہ دوسرے ہی سال یعنے ۱۳۳۳ھ میں ایجوکیشنل کانفرنس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا جو اس وجہ سے نہایت اہم ہے

اور تاریخ دکن میں ہمیشہ یادگار رہے گا کہ جامعہ عثمانیہ زیادہ تر اسی کی چہل پہل اور تقریروں کے باعث بہت جلد ظہور میں آسکی۔

اس کانفرنس کی صدارت سر حیدر نواز جنگ بہادر حبیب فرد فریدوں نے کی جو اس وقت معتمد تعلیمات تھے انہوں نے ملک کے اس عام رجحان اور شدت احساس کو محسوس کر کے اپنے خطبۂ افتتاحیہ ہی میں اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ:۔

"خدا نے چاہا تو چند سال میں دارالعلوم ایک عظیم الشان یونیورسٹی ہو جائے گا جس کی نظیر ہندوستان بھر میں نہ ہوگی۔ اور جس کا فیض دور دور تک پہنچے گا اور لوگ ملک ملک سے اس سے مستفید ہونے کیلئے آئیں گے۔ اور حیدرآباد مرکز علوم و فنون بن جائے گا۔" (روئداد کانفرنس صفحہ ۴۸)

صدر کے اس ہمت افزا بیان کے علاوہ دوران کانفرنس میں بعض تقریروں میں بھی اسکی طرف اشارے کئے گئے غرض پہلی کانفرنس نے یہ ثابت کر دیا کہ حیدرآباد تعلیمی ترقی کے لئے تیار ہو چکا ہے اور اب اہل ملک بیدار ہیں۔

(۸)

ایک سال بعد ایجوکیشنل کانفرنس کے دوسرے سالانہ اجلاس اورنگ آباد میں ہوئے اور اس کی صدارت ملک کے فاضل سپوت مولوی شیخ محمد حبیب الدین مرحوم صدر محاسب سرکار عالی نے کی اور انہوں نے قیام جامعہ کی نسبت گذشتہ کانفرنس سے زیادہ مدلل اور ہمت افزا طریقہ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ:۔

"اس کانفرنس کے اجلاس کا یہ دوسرا سال ہے اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی ترقی تعلیم کے اہم کام کے لئے انتہائی مقصد مرکوز خاطر رکھیں اور اس کے حاصل کرنے کیلئے متفقہ کوششیں کی جائیں ہمارا مقصد اصلی ترقی تعلیم تو ہے لیکن لفظ تعلیم بہت ہی شعبوں پر حاوی ہے مثلاً اعلیٰ تعلیم، تعلیم ثانویہ

تعلیم ابتدائی، تعلیم نسواں، اخلاق جسمانی، صنعت و حرفت، و زراعت وغیرہ کی تعلیم یہ سب شعبے بجائے خود مکمل نہیں ہو سکتے جب تک ممالک محروسہ سرکار عالی میں بلحاظ حالات ملک و مقاصد رعایا برایا ایک جامع العلوم یعنی یونیورسٹی قائم نہ کی جائے۔ کیونکہ جب ہم اپنے ملک کی خصوصیات پر نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں حاکم و محکوم کی جداگانہ قومیتیں نہیں ہیں اور ہماری حکومت ہم سے متبائن اغراض نہیں رکھتی ہے، اور خوش بختی سے اس ریاست دکن میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیب صدیوں کے میل جول سے ممتزج و مرکب ہو گئی ہے۔ اور یہاں کے روشن دماغ حکمرانوں نے ہمیشہ کشادہ دلی اور فیاضی سے دونوں کی مدارات و دلجوئی ملحوظ رکھی ہے پس یہ وہ پاک خطہ ہے جہاں جامع العلوم جیسی ایک عظیم الشان درسگاہ کا قیام ہر طرح مناسب موزوں ہے، جو مغربی علوم و فنون کی تعلیم اور اختراعات و ایجادات کے مواقع پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ علوم مشرقیہ کا مامن اور وہ مسکن بن سکے اور جس میں مشرق کے مختلف علوم ادبیہ اور دقیق فلسفہ، حکمت اور تصوف اور حیرت انگیز اخلاقی و مذہبی تمدن اور تعجب خیز صنایع و بدایع قدیم کے خزائن فراہم کئے جا سکیں۔

دنیا میں انسانی جواہر معنوی کو کوئی چیز اس جوش سے ظہور میں نہیں لا سکتی، اور علما و فضلائے وقت کام کر نہیں بنا سکتی جیسی وہ یونیورسٹی بنا سکتی ہے جس کو ابنائے ملک اپنی سعی اپنے اہتمام اپنے ملک کے پیسے، اپنی دماغی محنت، اپنے علوئے ہمت، اپنی حکومت کے ذریعہ قائم کریں اور جسکو وہ اپنی یونیورسٹی کے نام سے پکاریں۔

چنانچہ ہماری ہمسایہ ریاست میسور . . . . قیام یونیورسٹی پر رجوع ہے جس پر ملک کی اخلاقی و دماغی ترقی کا انحصار ہے میری دلی تمنا اور پرخلوص دعا اپنے ملک کیلئے بھی یہی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ دن دور نہیں ہے جب ہمارے ملک کی ضروریات کے لحاظ سے ہمارے یہاں کے بھی جامع العلوم کا سنگ بنیاد ہمارے ہر دلعزیز، علم پرور، بادشاہ ظل اللہ میر عثمان علیخان بہادر

دام اقبالہٗ وزید اجلالہٗ کے دست مبارک سے رکھا جائے گا" (روئداد صفحہ ۳۳-۳۴)

چنانچہ مولوی حبیب الدین مرحوم کی یہ پیشین گوئی اور پر خلوص دعا اور اس کانفرنس کے اکثر مقررین مثلاً مسٹر وامن رامچندر نایک، مولوی اکبر علی، اور مسٹر دلنکر کی خواہشیں دوسرے ہی سال پوری ہوئیں۔ جبکہ اہل ملک کے اس عام رجحان اور اعلیٰ حضرت آصف جاہ سابع کی خاص علمی سرپرستیوں سے واقف ہونیکے بعد ایک نبض شناس اور صاحب وقت ہی نواب حیدر نواز جنگ بہادر نے جو اسوقت معتمد تعلیمات تھے اعلیٰ حضرت حکیم السیاست کی خدمت میں ۱۹۱۷ء م ۱۳۳۶ھ میں قیام جامعہ کی اجازت کے لئے عرضداشت پیش کی جس کے ملاحظہ کے بعد اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ:۔

"اس یونیورسٹی کا اصل اصول یہ ہونا چاہئے کہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہماری زبان اردو قرار دی جائے اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی بہ حیثیت ایک زبان کے ہر طالب علم پر لازمی گردانی جائے۔ لہٰذا میں بہت خوشی کے ساتھ اجازت دیتا ہوں کہ میری تخت نشینی کی یادگار میں حسب مذکور اصول محولہ عرضداشت کے موافق ممالک محروسہ کے لئے حیدرآباد میں یونیورسٹی قائم کرنے کی کارروائی شروع کیجائے۔ اس یونیورسٹی کا نام عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد ہوگا۔"

اس فرمان کے بموجب ارباب بست وکشاد اور خاصکر محکمۂ تعلیمات نے بہت جلد تمام ذیلی امور کا تعین کرلیا اور آخر کار ۱۹۱۸ء میں ایک منشور خسروی صادر ہوا جس کے ذریعہ سے اعلیٰ حضرت نے یونیورسٹی کی پوری تنظیم فرمادی۔ یہ منشور چونکہ اکثر مطبوعہ کتابوں وغیرہ میں نقل کیا جاچکا ہے اس لئے ہم یہاں اس کے خاص خاص ابتدائی اجزا بطور انتخاب پیش کرتے ہیں:۔

"چونکہ مابدولت واقبال کو اپنی عزیز وفادار رعایا کی فلاح وبہبود بدرجۂ اتم مدنظر ہے اور مقصد اعلیٰ صرف اس صورت میں بوجہ احسن حاصل ہوسکتا ہے جبکہ موجودہ انتظام تعلیم ممالک محروسہ سرکار عالی کو بیرونی جامعات سے مناسب حد تک آزاد و مستغنی کرکے اعلیٰ انتظام ملکی خصوصیات وحالات کے

اعتبار سے خود اندرون ملک کیا جائے اور بندگانِ عالی بدولت و اقبال حکم صادر فرماتے ہیں کہ :-

۱۔ حیدرآباد دکن میں ایک جامعہ (یونیورسٹی) بنام جامعہ عثمانیہ یکم محرم الحرام ۱۳۳۷ھ سے قائم کی جائے

۲۔ جامعہ عثمانیہ کا مقصد یہ ہے کہ مذہبی، اخلاقی، ادبی، فلسفی، طبعی، تاریخی، طبی، قانونی، زراعتی، تجارتی، اعلیٰ تعلیم کا اور دیگر مفید علوم و فنون و سود مند پیشوں اور صنعت و حرفت وغیرہ سکھانے اور ان سب میں تحقیقات و ترقی کا انتظام کرے۔

۳۔ جامعہ عثمانیہ کی خاص خصوصیت یہ ہوگی کہ جملہ علوم کی تعلیم زبان اردو میں دی جائے گی اور اس کے ساتھ انگریزی زبان و ادب کی تعلیم لازمی ہوگی وغیرہ"

یہ شرط بھی عرضداشت کے متعلق اعلیٰ حضرت کی مندرجۂ بالا تصریح (کہ یونیورسٹی کا اصل اصول یہ ہونا چاہئے کہ ذریعۂ تعلیم اردو ہو) کی طرح ظاہر کرتی ہے کہ حضرت آصف جاہ سابع اپنی زبان اردو کو کس قدر اہمیت دیتے ہیں یہ محض آپ ہی کی دلچسپی اور ہمت افزائی تھی کہ حیدرآباد میں اتنا بڑا تجربہ شروع کیا گیا اور اسکو تمام ہندستان اور خاصکر زبان اردو کی خوش بختی سمجھنا چاہئے کہ ایسے اہم کام کا آغاز اعلیٰحضرت جیسے دریادل سرپرست اردو کے عہد میں کیا گیا اور محض آپکی فیاضیوں کی وجہ سے کامیاب رہا۔

منشورِ خسروی میں تفصیل کے ساتھ جامعہ عثمانیہ کے اختیارات بیان کئے گئے ہیں۔ پھر اسکی ہیئت ترکیبی کا ذکر ہے اور اس میں بھی اعلیٰ حضرت نے اپنی علم پروری اور خاص دلچسپی کا ثبوت دیا ہے کہ "بندگانِ عالی بدولت و اقبال جامعہ عثمانیہ کے سرپرست اعلیٰ رہیں گے۔" اور "جامعہ عثمانیہ اپنے کاروبار میں ایسی مہر کا استعمال کرے جس کا نمونہ بندگانِ عالی بدولت و اقبال منظور فرمائیں گے۔"

(۹)

غرض منشورِ خسروی کے مطابق جامعہ عثمانیہ یکم محرم ۱۳۳۷ھ ہی سے قائم ہوگئی۔ مگر اسکی باضابطہ تعلیم کا آغاز ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ م ۷ اگسٹ ۱۹۱۹ء سے ہوا جب کہ اردو زبان کی تاریخ میں سب سے پہلی دفعہ

ایک ایسے کالج کا افتتاح ہوتا ہے جس میں جملہ علوم و فنون کی تعلیم اردو میں دی جاتی ہو۔ کلیہ جامعہ عثمانیہ کو ہمیشہ یہ امتیاز حاصل رہے گا کہ وہ سب سے پہلی درسگاہ ہے جس میں اردو زبان اعلےٰ سے اعلیٰ فنی اور کلیاتی تعلیم کے لئے استعمال کی گئی۔

جامعہ عثمانیہ کا پہلا امتحان بی اے ۱۹۲۳ء میں لیا گیا۔ اس میں (۷۳) امیدوار کامیاب رہے۔ گذشتہ دس سال کے عرصہ میں یعنے ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۳ء تک اس جامعہ سے (۸۲۳) امیدوار بی اے کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔

کلیہ جامعہ عثمانیہ میں ال ال بی، ام اے، اور ام اس سی کی تعلیم کے علاوہ کئی مضامین میں طالب علموں سے ریسرچ (تحقیقات) کرانے کا بھی انتظام کیا گیا ہے جس کی وجہ سے متعدد طالب علم ام اے اور ام اس سی کی اعلیٰ سند حاصل کرنے کے بعد اپنے ذوق علم و تحقیق کی تکمیل کر سکتے ہیں۔ گذشتہ سال سے بی اس سی کی تعلیم کا بھی انتظام ہو چکا ہے توقع ہے کہ اردو زبان میں سائنس کی تعلیم اور ذوق کی اشاعت اور بھی وسیع پیمانے پر ہو سکے گی۔

کلیہ جامعہ عثمانیہ میں پہلے پہل تین پروفیسروں اور دس مددگار پروفیسروں کی جائدادیں قائم کی گئی تھیں لیکن جب بعد میں بی اے، اور ام اس سی وغیرہ کی جماعتوں کا افتتاح ہوا تو ان میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا چنانچہ ۱۹۳۴ء تک حسب تفصیل ذیل جائدادیں قائم کرنی پڑیں۔

ایک صدر	تنخواہ ۱۲۵۰ تا ۱۵۰۰		۱۹ پروفیسر	تنخواہ ۵۰۰ تا ۱۰۰۰
ایک پروفیسر	" ۱۵۰۰ کلدار		۲ "	" ۶۰۰ تا ۸۰۰
۳۰ "	" ۳۵۰ تا ۶۰۰		۸ "	" ۲۵۰ تا ۴۰۰
۶ ڈیمانسٹریٹر	" ۲۵۰ تا ۴۰۰		ایک کتب خانہ دار	" ۲۵۰ تا ۴۰۰

کلیہ کی صدارت کے فرائض ابتداء میں کچھ عرصہ تک نواب مہدی یار جنگ اور پھر نواب مسعود جنگ نے

انجام دیئے پھر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب کا تقرر عمل میں آیا اور اب کئی سال سے مولوی عبدالرحمن خاں صاحب اس خدمت کو بوجوہ احسن انجام دے رہے ہیں۔ پروفیسروں کی خدمات کیلئے اقصائے ہندستان سے مختلف علوم و فنون کے ماہرین کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اور اب چونکہ اہل ملک اور خاصکر جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل ہی اکثر مضامین میں اعلیٰ تعلیم اور یوروپی اسناد وغیرہ سے بہرہ ور ہوتے جا رہے ہیں اس لئے حسب ضرورت انہی کا تقرر عمل میں آرہا ہے۔

کلیہ کے اساتذہ میں متعدد ایسے ہیں جو اپنی تصنیف و تالیف کے ذریعہ سے اردو زبان اور ادب کی خاطر خواہ خدمت کر رہے ہیں اور جن کے فیض صحبت سے اس کے طلبہ میں بھی اردو کا ذوق اور اسکی سچی خدمت کا احساس پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ اسکے موجودہ صدر مولوی عبدالرحمن خاں صاحب اور نائب صدر قاضی محمد حسین صاحب دونوں اپنے متعلقہ موضوعوں یعنے طبیعیات اور ریاضی کی مسلمہ قابلیت کے علاوہ علوم مشرقیہ اور اردو سے بھی شغف رکھتے ہیں چنانچہ دارالترجمہ کے سلسلہ میں ان کے اردو تالیف و تراجم اور اصطلاحوں وغیرہ کی خدمات کا تذکرہ مندرج ہے پروفسروں میں یوں تو اکثر اصحاب اردو کے صاحب تصنیف و تالیف ہیں مگر جنکی اردو خدمات زیادہ قابل ذکر ہیں ان میں مولوی عبدالحق صاحب، ڈاکٹر سید عبداللطیف مولوی عبدالقدیر صاحب صدیقی حسرت، ہارون خاں صاحب شروانی، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب عبدالباری صاحب ندوی، الیاس برنی صاحب، ڈاکٹر محمد نظام الدین، محمد جمیل الرحمن صاحب سید سجاد حسین صاحب، ڈاکٹر میر ولی الدین، ڈاکٹر جعفر حسن، عبدالقادر سروری صاحب اور عبدالمجید صدیقی صاحب وغیرہ شامل ہیں۔

مولوی عبدالحق صاحب کی مسلسل اردو خدمات کا تفصیلی ذکر اس کتاب کی اکثر فصلوں میں اپنی اپنی جگہ مندرج ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف ہندستان کے ان معدودے چند مغربی تعلیم یافتہ اصحاب میں سے ہیں جو اردو زبان اور ادب پر صحیح تنقیدی نظر ڈال رہے ہیں۔ انکی دو کتابیں بزبان انگریزی

"اردو زبان پر انگریزی کا اثر" اور ۲۔ "غالب" شایع ہو چکی ہیں۔ اساتذہ کلیہ کی مجلس تحقیقات کے معتمد ہیں اور مجلہ تحقیقات علمیہ کے مدیر۔ مولوی عبدالقدیر صاحب حسرت کئی کتابوں کے مصنف ہیں اردو شاعری کا بھی خاص ذوق رکھتے ہیں چنانچہ کلام کا مجموعہ "نسیم عرفاں" دو دفعہ شایع ہو چکا ہے۔

ہارون خاں شروانی صاحب، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، عبدالباری صاحب، اور الیاس برنی صاحب کے اردو ترجموں کا ذکر دارالترجمہ کے سلسلہ میں شامل ہے اول الذکر کے متعدد تاریخی مضامین شایع ہو چکے ہیں طلبہ تاریخ میں تصنیف و تالیف کا ذوق اور بزم تاریخ کے رسالہ "خزینۂ تاریخ" کی اشاعت وغیرہ انہی کی دلچسپی کا نتیجہ ہے۔ خلیفہ صاحب شاعر کی حیثیت سے مقبول ہوتے جا رہے ہیں۔ الیاس برنی صاحب کی معاشیاتی کتابوں کے علاوہ اردو نظموں کے مجموعے "جذبات فطرت" "معارف ملت" اور "مناظر قدرت" وغیرہ بھی مقبول ہیں۔ کچھ عرصہ سے تصوف کا ذوق پیدا ہو گیا ہے اور آج کل مذہبی رنگ کی کتابیں لکھ رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد نظام الدین نے فارسی نصاب کے مجموعوں اور اردو مضامین کے علاوہ قواعد اردو کے متعلق بھی کام کیا ہے جو مدارس کے نصاب میں شامل ہے۔ مولوی جمیل الرحمٰن صاحب اردو کے قدیم لکھنے والے ہیں۔ تاریخ اسلام کے متعلق متعدد مضامین اور کتب شایع کر چکے ہیں۔ دارالترجمہ کے سلسلہ میں انکے تراجم کا ذکر بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر سجاد حسین نے براؤن کی مشہور کتاب تاریخ ادبیات ایران کا ترجمہ انجمن ترقی اردو کے لئے کیا اور بدھ مت ہند کا دارالترجمہ کے لئے۔

ڈاکٹر میر ولی الدین، ڈاکٹر جعفر حسن، عبدالقادر سروری صاحب اور عبدالمجید صدیقی صاحب چاروں کلیہ ہی کے تعلیم یافتہ ہیں اپنے اپنے موضوعوں سے متعلق ان سبھوں نے اردو میں کئی کتابوں کا اضافہ کیا۔ اول الذکر نے دارالترجمہ، مجلس علمیہ، اور لٹریری اکیڈمی کیلئے چند کتابیں لکھیں مثلاً مقدمہ مابعد الطبعیات "فلسفہ کی پہلی کتاب"۔ "برگسان" اور "فلسفہ صداقت عمل" وغیرہ۔ ڈاکٹر جعفر حسن نے عمرانیات کے متعلق کئی مضامین شایع کئے اور کتاب بھی لکھی۔ ان کو ہندی سے بھی شغف ہے چنانچہ ایک کتاب "منتخبات کلام ہندی"

شایع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔

عبدالقادر صاحب سروری عہد حاضر کے مخصوص خدمت گذاران اردو میں سے ہیں۔ فسانوں سے خاص شغف ہے چنانچہ "دنیائے افسانہ" "افسانہ اور کردار" وغیرہ کتابیں اور متعدد تنقیدی مضامین شایع کر چکے ہیں۔ خود بھی فسانے لکھے اور دنیا کے شاہکار افسانوں کا اردو میں ترجمہ کر کے کئی حصوں میں شایع کیا۔ کچھ عرصہ پہلے "جدید اردو شاعری" شایع کی جو اردو شاعری کی تاریخ میں ایک ضروری اضافہ ہے مجلہ مکتبہ کی ادارت کا کام بھی کئی سال سے انجام دے رہے ہیں۔ عبدالمجید صدیقی صاحب بھی ایک قدیم انشا پرداز ہیں۔ انجمن ثمرۃ الادب کے معتمد تھے۔ حیدرآباد کے اکثر رسائل میں عرصہ سے انکے مضامین شایع ہوتے رہے ہیں۔ تاریخ دکن سے متعلق کئی کتابیں مثلاً "ارسطوجاہ" "بہمنیوں کا تمدن" اور تاریخ گولکنڈہ" وغیرہ لکھی ہیں جن کے بعض حصے رسائل میں بالاقساط شایع ہوئے اور اب کتابی شکل میں زیر طبع ہیں۔

اساتذہ کلیہ کی اردو خدمات کا تذکرہ نامکمل رہے گا اگر چند متوفی حضرات کا ذکر نہ کیا جائے مولوی سید اشرف شمسی۔ مولوی عبدالواسع صفا۔ اور مولوی وحیدالدین سلیم وہ اساتذہ تھے جنہوں نے اپنی ان تھک علمی خدمات، مسلسل تصنیف و تالیف، اور ذوق شعر و سخن سے طلبۂ کلیہ کے قلب و دماغ کو ہمیشہ کے لئے گرما دیا۔

علامہ شمسی حیدرآباد کے مائیہ ناز متبحرین اور اساتذہ میں سے تھے۔ کلیہ میں فارسی کے پروفیسر تھے۔ ان کا غیر معمولی علم و فضل اور سنجیدہ ذوق سخن اُن کے طلبہ کو اس طرح متاثر کرتا تھا کہ وہ محسوس بھی نہ کر سکتے تھے مولوی عبدالواسع صفا قدیم لکھنے والے اور رسالہ ثمرۃ الادب کے مدیر تھے۔ تاریخ اسلام اور ہیئت سے متعلق کئی مضامین اور کتابیں لکھیں۔ وفات سے قبل بھی ہیئت پر ایک مبسوط کتاب لکھنے میں مشغول تھے اور "البدر" ایک تاریخی کتاب شایع کی تھی۔

مولوی وحیدالدین سلیم اردو انشا پردازوں اور تنقید نگاروں میں یگانۂ روزگار تھے۔ انکی کتاب

وضع اصطلاحات، کا ذکر دارالترجمہ کے سلسلہ میں آئے گا۔ انہوں نے آخر عمر میں شعر گوئی بھی شروع کی تھی اور پختہ مشق شاعروں سے بہتر نظمیں لکھیں۔ اُن کے ادبی اور تنقیدی مضامین، عاشقانہ اور قومی نظمیں، کالج کے درس، اور گھر کی گفتگو ہر بات غیر معمولی جوش اور زندگی سے معمور ہوتی تھی۔ کلیہ جامعہ عثمانیہ کی ادبی چہل پہل انہی کی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے۔ اور جیسا کہ "جامعہ عثمانیہ کے فرزندوں کی اردو خدمات" میں لکھا گیا تھا ان کے برقائے ہوئے قلوب آج تک سرگرم کار ہیں۔ اور ہمیشہ دوسروں کو برقاتے رہیں گے اُن کی بے باک انشا پردازی، ترقی زبان اور اصطلاح سازی کے متعلق ان کے بنائے ہوئے اصولوں اور نظریوں نے، زندگی جاوداں حاصل کر لی ہے۔ اور نہ صرف ہمارے طیلسانی بلکہ ہندستان کے وہ اہل علم جو جدید علوم و فنون کو اردو میں منتقل کرنا چاہتے ہیں پروفیسر سلیم ہی کی پیدا کی ہوئی روشنی میں گامزن ہیں۔

کلیہ جامعہ عثمانیہ کا ذکر ختم کرنے سے پہلے اسکی بزم اردو کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ یہ پہلے اصل میں پروفیسر سلیم مرحوم ہی کی دلچسپی سے قائم ہوئی تھی مگر جب کلیہ کی انجمن اتحاد کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں تو ختم ہو گئی اور کوئی دس سال تک ساکت رہی۔ آخر کار مصنف کتاب کو جب اپنی مادر کلیہ میں اردو کی خدمت کرنے کا موقع ملا تو راقم کی تحریک پر مولوی عبدالحق صاحب اور عبدالقادر سروری صاحب کی دلچسپی سے اسوقت تک سرگرم عمل ہے۔ اسکی صدارت کی خدمت نواب محمد ظہیرالدین خاں صاحب، عزیز احمد صاحب اور نواب سعادت علی رضوی صاحب نے یکے بعد دیگرے انجام دی۔ ان تینوں کے اردو ذوق اور کام کا ذکر حصہ دوم میں مندرج ہے۔

بزم اردو ہر سال اپنا سالنامہ شایع کرتی ہے اور اس سال تو خاص اہتمام سے شایع کر رہی ہے جس میں اراکین کی ادبی مشغولیتوں میں سے چند نمونے بھی شامل ہیں۔ اس بزم میں جہاں آئے دن اراکین بزم کے آپس میں اردو کے تحریری اور تقریری مقابلے ہوتے ہیں، ہر سال بین کلیاتی مقابلے

بھی کئے جاتے ہیں جن کے لئے نواب محمد ظہیر الدین خاں اور نواب سعادت علی رضوی نے بزم کو اپنے شایانِ شان رولنگ کپ عطا کئے اردو کے مشہور ادیبوں اور محققوں کی تقریریں بھی کرائی جاتی ہیں چنانچہ نواب حیدر یار جنگ نظم طباطبائی مرحوم، مولوی عبد الحق صاحب، مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب ڈاکٹر جعفر حسن، اور پروفیسر عبد القادر سروری وغیرہ کی تقریریں خاص اہتمام سے کرائی گئیں۔ خاصکر اول الذکر کی تقریر نہایت اہم تھی کیونکہ وہ ان کی وفات سے چند ہی ماہ قبل ہوی تھی اور بزم کی خاطر انہوں نے اسکو قلم بند بھی فرمایا تھا۔ گویا یہ انکی آخری تحریر و تقریر ہے۔

بزم اردو کے اراکین کی اردو خدمات کی تفصیلی معلومات اس کے مطبوعہ سالناموں میں موجود ہیں۔ اور چند ایسے اراکین کا ذکر جن کی اردو خدمات نمایاں حیثیت رکھتی ہیں اس کتاب کے حصۂ دوم میں شامل ہے۔

(۱۰)

جامعہ عثمانیہ کے تحت میں اس وقت تک اور متعدد کالج قائم ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء میں عثمانیہ میڈیکل کالج کی تعلیم شروع ہوئی جس کی صدارت میجر فرحت علی صاحب انجام دے رہے ہیں۔ جنکا ذکر دار الترجمہ کے سلسلہ میں درج ہے ۱۹۲۹ء میں عثمانیہ انجینیرنگ کالج کی جماعتوں کا آغاز ہوا جس کے معتمد مسٹر گیڈگل ہیں۔ اور اسی سال عثمانیہ ٹریننگ کالج کا افتتاح ہوا جس کے صدر حیدر آباد کی علمی ترقی کے مشہور قدرداں عزیز مرزا مرحوم کے لائق صاحبزادے سجاد مرزا صاحب ہیں۔ جن کا ذکر گذشتہ فصل میں گذر چکا ہے۔ ان کے علاوہ انٹرمیڈیٹ کی تعلیم کے لئے اور چار درسگاہوں کا انتظام کیا گیا جنمیں سے ایک اندرون شہر (سٹی کالج) اور باقی کے تین اورنگ آباد، ورنگل اور گلبرگہ میں قائم ہوئے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے بھی ایک علیحدہ کلیہ موجود ہے۔ جسمیں بی اے تک تعلیم ہوتی ہے اور جس کی صدارت مس آمنہ پوپ کے تفویض ہے۔

متذکرۂ بالا انٹرمیڈیٹ کالجوں میں بھی طلبہ کے ذوق اردو میں ترقی دینے کی کامیاب کوششیں کیجارہی ہیں۔ چنانچہ سٹی کالج کے صدر سید محمد اعظم صاحب کو اردو سے خاص شغف ہے۔ وہاں کی بزم اردو اور رسالۂ "الموسی" کی نمایاں کامیابی انہی کی ذاتی دلچسپی کا نتیجہ ہے۔ ان کے علاوہ اس کلیہ کے دو اساتذہ ابوظفر عبدالواحد صاحب اور سید محمد صاحب بھی اردو کی صحیح خدمت کرتے ہیں۔ اول الذکر کا ذوق سخن اور موخرالذکر کا ذوق تحقیق طلبہ کی ادبی نشو و نما میں قابل ذکر رہبری کر رہا ہے۔ سید محمد صاحب کی دو تین کتابیں "ارباب نثر اردو" "میر کی مثنویاں" اور "گلشن گفتار" شایع ہو چکی ہیں اور تاریخ ادب اردو میں اضافہ کا باعث ہیں۔ میر محمود علی صاحب اس کلیہ میں پروفیسر تاریخ ہیں اور دکن کی تاریخ پر کئی اہم اور شگفتہ مضامین اور کتابیں مثلاً "آصفجاہ ثانی" اور "دکن کی تاریخی کہانیاں" وغیرہ شایع کر چکے ہیں۔ نوجوان انشاپردازوں میں وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

اورنگ آباد کالج میں بھی سید وہاج الدین صاحب اور غلام طیب صاحب اردو کے بڑے دلدادہ ہیں۔ دونوں اچھے شاعر ہیں۔ اول الذکر کی کتاب "نفسیات ترغیب" بہت مقبول ہو چکی ہے انہوں نے کئی اعلیٰ پایہ کے مضامین بھی شایع کئے ہیں اور اردو کے مخصوص انشاپردازوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔

جامعہ عثمانیہ کی جملہ درسگاہیں (سوائے سٹی کالج اور عثمانیہ میڈیکل کالج کے) اس وقت کرایہ کے مکانوں میں کام کر رہی ہیں لیکن شہر حیدرآباد سے چند میل کے فاصلہ پر چودہ سو ایکر کا ایک رقبہ جامعہ عثمانیہ کے لئے خرید لیا گیا اور اس پر مستقل عمارتوں کی تعمیر کا کام بھی شروع ہو چکا ہے۔ چنانچہ ماہ شہریور ۱۳۴۳ف م جولائی ۱۹۳۴ء میں خود اعلیٰ حضرت سلطان العلوم نے اپنے دست مبارک سے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ جامعہ عثمانیہ کے صرف اخراجات تعمیر کے لئے ایک کروڑ روپئے کی منظوری صادر فرما کر اعلیٰ حضرت نے اپنی فیاضی اور علم دوستی کا جو ثبوت دیا ہے اسکی نظیر اردو تو کیا دنیا کی بہت کم زبانوں کی تاریخ میں مل سکے گی۔

جامعہ عثمانیہ کی مستقل عمارتوں کی تعمیر جاری ہے اور ان کی تکمیل کے لئے شاید ابھی چند سال درکار ہوں گے لیکن فی الحال پانچ لاکھ کے صرفہ سے عارضی عمارتیں تیار کرلی گئی ہیں۔ جن میں جامعہ کے جملہ ادارے قریب میں منتقل ہو رہے ہیں۔

جامعہ عثمانیہ کے مسجل (رجسٹرار) پہلے سید محی الدین صاحب تھے اور اب کئی سال سے حمید احمد صاحب انصاری اس خدمت کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ اُن کے اعلیٰ ذوق اردو اور تراجم کا ذکر دارالترجمہ کے سلسلہ میں مندرج ہے۔

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی اردو زبان اور علم و فضل سے دلچسپی کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ جب کبھی جامعہ کی نسبت رقمی منظوری کی ضرورت پڑتی ہے تو نہایت فراخدلی سے احکام صادر فرمائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت جامعہ عثمانیہ پر ۲۹ لاکھ سے زیادہ رقم سالانہ خرچ ہوتی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

دفتر مسجل	۱۲۱۶۵۷
کلیہ جامعہ عثمانیہ	۷۵۶۹۲۹
کلیہ اناث	۳۳۹۰۰
مڈیکل کالج	۱۸۶۰۸۶
ٹرینگ کالج	۲۵۹۶۰
انجنیرنگ کالج	۲۵۰۰۵
سٹی انٹرمیڈیٹ کالج	۵۹۷۱۵
اورنگ آباد انٹرمیڈیٹ کالج	۵۳۸۲۶
ورنگل انٹرمیڈیٹ کالج	۳۳۵۶۰

گلبرگہ انٹرمیڈیٹ کالج	۳۴۴۹۶
دارالترجمہ	۲۶۱۴۱۵
دارالطبع جامعہ عثمانیہ	۱۵۰۱۰۲
رصدگاہ نظامیہ	۳۶۱۶۴
وظائف	۱۳۵۲۴۸
محفوظ	۲۹۸۱۵
بجیت	۷۳۱۷۱۳
امدادی	۷۶۵۷

جملہ ۲۹۰۸۱۷۶

۵

دارالتالیف وتراجم کا قیام

ا۔ ابتدائی شکلیں

حلقۂ نواب شمس الامرا۔ سررشتۂ علوم وفنون نواب وقارالامرا کی وزارت میں۔ سررشتۂ علوم وفنون کا دوسرا جنم

تحریکات ایجوکیشنل کانفرنس حیدرآباد

ب۔ قیام دارالترجمہ

ابتدائی تنظیم۔ تراجم وتالیف کا طریقۂ کار

مجالس وضع اصطلاحات۔ تراجم کی نوعیت اور تعداد

مترجمین اور ان کے تراجم

دارالتالیف وتراجم کا قیام جامعۂ عثمانیہ کی تشکیل کے ساتھ ہی ہو گیا تھا اور ابھی جامعہ میں ذریعۂ
تدریس اور قیام کلیات کے انتظامات مکمل تھے کہ پہلے ظہور پذیر ہو گیا۔ اس سلسلے میں اس واقعہ کا اظہار
ضروری ہے کہ یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ حیدرآباد میں جدید علوم و فنون کی کتابوں کا اردو ترجمہ کرنے کی طرف
توجہ کی گئی ہو۔ قیام دارالترجمہ سے تقریباً سو سال پیشتر اسی شہر حیدرآباد میں یہاں کے ایک علم دوست اور
فاضل امیر کبیر نواب محمد فخرالدین خاں بہادر شمس الامراء ثانی نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا۔ خود بھی کتابیں
لکھیں اور ترجمہ کیں۔ ان کے فرزندوں نے بھی ان کی تقلید کی۔ اور ان کے ملازمین نے بھی ان کی فرمائش
یا حکم پر بیسیوں کتابیں ترجمہ اور تالیف کیں۔

اس حلقۂ تالیف وتراجم نے ریاضی، مساحت، ہیئت، جر ثقیل، برق، مناظر، طبیعیات،
معدنیات، معماری، طب، تاریخ اور جغرافیہ وغیرہ موضوعوں پر چالیس کے قریب کتابیں مرتب کیں جن میں
سے اکثر انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کی اعلیٰ علمی کتابوں کے ترجمے تھے۔ ان میں سے شمسیہ، انوار [illegible]
رفیع الترکیب، چرخ گردان، منتخب البصر، مفتاح الافلاک، رسالۂ [illegible]، رفیع الصنعت، اصول [illegible]
رسالۂ علم الوقت، رسالۂ [illegible]، جر ثقیل، رسالۂ اصطرلاب، [illegible]، رسالۂ چیچک، اور رسالۂ [illegible]
وغیرہ کتابیں شمس الامراء کے مطبع سے چھپائی گئیں۔ [illegible] غیر معمولی توجہ کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ
نواب شمس الامراء نے اپنے حلقے کی بعض کتابیں لندن میں چھپوائی تھیں اور ایک خاص اردو ٹائپ بھی ڈھلوایا
گیا تھا جس میں انہوں نے متعدد کتابیں شائع کیں۔ مختلف علوم و فنون کی اصطلاحات کے ترجمے بھی
کئے گئے جن میں سے کچھ قلمی نسخے اب تک موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اس حلقہ کے متعدد ترجمے بھی قلمی مخطوطوں
کی شکل میں موجود ہیں۔ اس سلسلہ میں [illegible] ثابت ہوتا ہے کہ ان جدید علوم و فنون کی

تعلیم کے لئے نواب فخر الدین خاں شمس الامرائے ایک درسگاہ (مدرسہ فخریہ) بھی قایم کی تھی جس میں اس حلقہ کی مرتبہ کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں، یہ مدرسہ ابتک موجود ہے مگر افسوس ہے کہ اسوقت اسکی حیثیت بہت معمولی رہگئی ہے۔

(۲)

نواب شمس الامرائے ثانی کے حلقۂ تالیف وتراجم کے بعد انہیں کے پوتے نواب سر وقار الامرا اقبال الدولہ بہادر کے قایم کئے ہوئے سرکاری سررشتہ علوم وفنون کا ذکر بھی ضروری ہے جو پہلی دفعہ غالباً ۱۳۱۵ھ (م ۱۸۹۷ء) میں قائم ہوا تھا۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ مختلف علوم وفنون کی کتابیں بذریعۂ ترجمہ، تالیف، یا تصنیف اردو زبان میں منتقل کی جائیں۔ اس کے لئے سرکار نے ماہانہ (للعہ) روپئے مقرر کئے۔ سید علی بلگرامی مرحوم نے اسکی ترتیب وتنظیم میں پوری دلچسپی لی۔ ان کے بعد مولوی کاظم علی صاحب نے اس کام کی دیکھ بھال کی آخرکار سنہ ۱۹۰۱ء (م ۱۳۱۸ھ) میں مولوی شبلی نعمانی مرحوم اسکے ناظم بنائے گئے اور انکی غیر معمولی شخصیت کی وجہ سے یہ سررشتہ تمام ہندستان میں مشہور ہوگیا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۱ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے پندرھویں اجلاس منعقدہ مدراس میں تحریک پیش کی گئی کہ اردو کی اس قدردانی کے بارے میں سرکار نظام کا شکریہ ادا کیا جائے۔ اس کے محرک محمد بشیر الدین صاحب مدیر البشیر اٹاوہ نے تراجم کی ضرورت اور اہمیت کے تذکرہ کے بعد کہا کہ:۔

> بہت سے لوگ جنکی قابلیت بھی اچھی ہوتی ہے اور وہ اپنی زندگی تصنیف وتالیف میں صرف کرنا چاہتے ہیں اور محض اس وجہ سے کہ بسر اوقات کا کوئی ذریعہ ملے وہ کسی دوسری قسم کی ملازمت اختیار کرتے ہیں جہاں کام کی کثرت سے ان کو موقع نہیں ملتا کہ وہ اپنی زندگی تصانیف میں صرف کرسکیں لیکن ہم شکر گزار ہیں حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کی اس سرپرستی اور شاہانہ عنایت کے کہ مثل خلفائے بنی عباس اس اسلامی ریاست نے بھی ایک محکمہ علوم وفنون کا قائم کیا ہے جسکے ناظم ہمارے مخدوم

جناب شمس العلما مولوی شبلی صاحب نعمانی ہیں .... اس محکمہ میں ایک مترجم کتب انگریزی کا ہے
چند خوشنویس مسودوں کو صاف کرنے والے ہیں۔ اگرچہ یہ محکمہ کئی سال سے قائم ہے لیکن اس محکمہ کی
بابت کسی قسم کی توجہ کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوئی لیکن اب خدا کے فضل سے اور قوم کی خوش نصیبی سے
نظامت ایک مسلم الثبوت مصنف کو ملی ہے۔ لہٰذا امید ہے کہ اب اس محکمہ سے قوم کو اور اردو زبان کو
کثیر فوائد پہنچیں گے۔ چنانچہ مولوی شبلی صاحب کے تقرر کو ابھی صرف چند ماہ کا عرصہ ہوا ہے لیکن اس
قلیل مدت میں امام غزالی کی سوانح عمری تیار ہو گئی" (روداد کانفرنس صفحہ ۲۶۳)

مگر افسوس ہے کہ نواب سر وقار الامرا مرحوم کے بعد ہی اس محکمہ کا کام بھی کچھ عرصہ کے لئے بند رہا۔ آخر کار
مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنتہ بہادر کے عہد وزارت میں اس کی طرف توجہ کی گئی۔ مگر اس دفعہ غالباً اس کے
طریقۂ کار میں کچھ تبدیلی کر دی گئی تھی۔ یعنی کسی اعلیٰ تصنیف و تالیف پر اسکے لکھنے والے کو ایک خاص رقم دیکر
اسکی کتاب کو "سلسلۂ آصفیہ" میں داخل کر لیا جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقۂ کار بھی بعد کو موقوف ہو گیا
اور سر رشتۂ علوم و فنون ہی تخفیف میں آگیا۔ بہرحال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس سر رشتہ
کی وجہ سے اردو زبان میں بہت سی اہم کتابوں کا اضافہ ہوا۔ "الغزالی"۔ "المامون"۔ "فرہنگ آصفیہ"
جیسی متعدد اہم کتابیں اسی میں شامل ہیں۔

(۳)

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی تخت نشینی کے بعد اہل ملک کو جہاں اور بہت سی ضرورتوں کا احساس ہوا
اور انکی خواہشات کی تکمیل ہونے لگی تو انہوں نے اردو میں علوم و فنون کے تراجم کی طرف بھی توجہ کی۔
چنانچہ عہد عثمانی کی برکات سے جب حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس قائم ہوئی تو اس نے اپنے پہلے ہی
اجلاس میں یہ تحریک کی کہ "اس کانفرنس کو اردو میں علوم و فنون کے تراجم و تصانیف کی اشاعت کی
ضرورت سے پورا اتفاق ہے اور اس کے لئے یہ جلسہ سرکار عالی کی مزید توجہ کا طالب اور مستدعی ہے کہ محکمہ

سررشتہ علوم و فنون کے اخراجات سالانہ میں سے بہترین علمی تراجم و تصانیف اردو پر انعامات مرحمت کرنے کیلئے منظور فرمائے جائیں" مولوی عبدالحق صاحب نے اس تحریک کو کانفرنس میں پیش کیا اور اردو کی اہمیت اور ضرورتوں کے اظہار کے بعد اسکی طرف حسب ذیل الفاظ میں توجہ دلائی۔

"کیا ایک ایسی زبان کو ترقی دینا اور زندہ رکھنے کے لئے جسے کروڑوں بندگانِ خدا بولتے ہیں یہ سالانہ کچھ زیادہ رقم ہے؟ یہ کچھ بھی نہیں۔ اور اگر آپ اس تجویز کو منظور کریں اور سرکار سے درخواست کریں تو یقین ہے کہ سرکار ہماری التجا کو ضرور پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گی۔ سرکار نے اس سے بہت پہلے اس ضرورت کو محسوس کیا تھا اور شرف کشور سے ایک سررشتۂ علوم و فنون قائم کیا تھا لیکن افسوس ہے کہ وہ بعض وجوہ سے قائم نہ رہ سکا۔ شاید وہ قبل از وقت تھا۔ لیکن اب اس کا وقت آ گیا ہے لوگوں میں عام طور سے بیداری پیدا ہو گئی ہے اور ملک کے تعلیم یافتہ اور پرجوش اصحاب اس کام کو کرنے کیلئے مستعد ہیں۔" (روئداد کانفرنس صفحہ ۱۰۱)

اسکی تائید بابو گیا پرشاد نے کی اور آخر کار نہ صرف کانفرنس میں کامیاب ہوئی بلکہ سرکار نے بھی اسکی طرف کافی توجہ کی اور اس سلسلہ میں نصاب کی کتابوں کے ترجمہ کا کام انجمن ترقی اردو کے تفویض کیا گیا اس ضمن میں حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے دوسرے سالانہ اجلاس میں یہ تحریک منظور ہوئی کہ

"کانفرنس سرکار عالی کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ اس نے اردو میں علمی تراجم و تصانیف کی اشاعت کیلئے کانفرنس کی تحریک پر توجہ فرمائی۔ کانفرنس نہایت ادب کے ساتھ اس امر پر توجہ دلاتی ہے کہ جو رقم فی الحال سرکار سے بطور امداد ترقی علم و سیاقی دی جاتی ہے اس کا بہت قلیل حصہ اس مقصد یعنی اردو زبان میں تراجم و تصانیف علمی کی اشاعت میں صرف ہوتا ہے جو ضروریات ملک کے لحاظ سے بالکل غیر مکتفی ہے اور اس لئے یہ کانفرنس سرکار کی توجہ اس کام کی خاص امداد کیلئے مبذول کراتی ہے۔"

اسکی تحریک [illegible] صاحب نے کی اور تائید حافظ محمد مظہر صاحب نے۔ اسکے بعد مولوی عبدالحق صاحب نے

واضح کیا کہ :-

"مجلس اصلاح نصاب امتحانات السنہ مشرقیہ نے جن کتابوں کا ترجمہ ہونا تجویز کیا ہے اور جو آئندہ شامل نصاب ہوں گے ان کے متعلق انجمن ترقی اردو نے اس مجلس کے ایما پر کام شروع کر دیا ہے اور بہت جلد اس ضرورت کو پورا کرے گی لیکن اس کی تکمیل کے لئے انجمن کو سرکار سے مزید امداد ملنے کی ضرورت ہے"

(روداد کانفرنس صفحہ ۶۵)

(۴)

اس واقعہ کے دوسرے ہی سال جب جامعہ عثمانیہ کی تشکیل ہونے لگی تو ایجوکیشنل کانفرنس کی یہ درخواست بھی منظور ہو گئی اور ۱۳۳۶ھ م ۱۹۱۷ء میں ایک سررشتہ تالیف و ترجمہ قائم کر دیا گیا جس کی نظامت مولوی عبدالحق صاحب کے تفویض کی گئی اس میں پہلے صرف مغربی زبانوں ہی کی کتابوں کے ترجمہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ مگر حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس نے اپنے تیسرے اجلاس منعقدہ ماہ صفر ۱۳۳۶ھ میں توجہ دلائی کہ

اس کانفرنس کی رائے میں سررشتہ تالیف و ترجمہ کے ذریعہ سے علوم مشرقیہ کے لئے بھی ان کے اصلی ماخذوں سے اردو میں ترجمہ و تالیف کا انتظام ہونا چاہئے"

اسکی تحریک کرتے وقت حافظ مظہر الدین نے کہا کہ :-

"حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کو اس امر کی اولیت حاصل ہے کہ پہلے پہل رائے عامہ کے سامنے اس نے یہ امر پیش کیا کہ علوم و فنون کی تعلیم اردو میں دینا ممکن ہے اور اس کے بعد سے تمام ملک میں اور برٹش انڈیا میں یہ مسئلہ زیر بحث ہو گیا۔ یہ خوشی اور مسرت کی بات ہے کہ سرکار عالی نے اس اصول کو تسلیم فرما لیا ہے اور عثمانیہ یونیورسٹی قائم ہو رہی ہے۔ اس اصول کو عملی حیثیت میں لانے کے لئے نیز ملک میں علوم و فنون کو ترقی دینے کیلئے پہلے اجلاس کانفرنس میں یہ استدعا بھی پیش کی گئی کہ ترجمہ و تالیف علوم و فنون کے لئے مخصوص سررشتہ علوم و فنون قائم ہونا ضروری ہے ...... ہم سب کو

خوشی ہونا چاہئے کہ کانفرنس کی مجوزہ تحریکات میں سب سے پہلے یہ تحریک منظور ہوئی ہے اور حضرت بندگانعالی کے مرحمت شاہانہ سے شاندار اور وسیع پیمانے پر سررشتہ علوم وفنون قائم فرمادیا گیا ہے ہم کو یہ توقع کرنی چاہئے کہ وہ صحیح اصول پر کام کرے گا...... اس سررشتہ کے متعلق جیسا کہ رزولیوشن سرکار عالی شایع شدہ سے واضح ہوتا ہے فی الحال صرف علوم مغربیہ کی تالیف و ترجمہ کا فرض عاید کیا گیا ہے۔ لیکن ضرورت ہے کہ اس اہم کام کے ساتھ ساتھ علوم مشرقیہ یا دوسرے الفاظ میں عربی، فارسی، سنسکرت میں جو علوم وفنون کے ذخیرے ہیں ان کے اصل ماخذوں سے اردو میں تالیف و ترجمہ کے ذریعہ سے اضافہ کیا جائے" (روداد کانفرنس صفحہ ۵۲)

کانفرنس کی یہ تحریک بھی ناکام رہی۔ دارالترجمہ میں مشرقی اور خاصکر عربی اور فارسی کتابوں کے تراجم کا بھی انتظام کیا گیا۔ چنانچہ اس کام کے لئے نواب حیدر یار جنگ نظم طباطبائی مرحوم، مولوی عبداللہ عمادی، مولوی ابوالخیر مودودی، اور مولوی سید ابراہیم ندوی وغیرہ جیسے عربی و فارسی کے علما کا بھی تقرر کیا گیا۔

مولوی عبدالحق صاحب کے حیدرآباد سے چلے جانے کے بعد مولوی عنایت اللہ صاحب کو اسکی نظامت سپرد کی گئی جو مشہور مصنف شمس العلماء ذکاء اللہ دہلوی کے فرزند ہیں اور مترجم کی حیثیت سے کافی شہرت رکھتے ہیں۔ اپنی کبر سنی کے باوجود اب تک کام کر رہے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ سے انکی جانشینی کا مسئلہ جامعہ کے ارباب حل وعقد کے پیش نظر ہے۔ دارالترجمہ کے نائب ناظم ڈاکٹر فرحت علی صاحب ہیں جو میڈیکل کالج کے صدر بھی ہیں اور جن کی مستعدی، صداقت، اور باضابطگی مستحق تحسین ہے۔ ناظر مذہبی کی خدمت مولوی عبداللہ عمادی صاحب کے تفویض ہے۔ جن کا ذکر مترجمین کے سلسلہ میں موجود ہے ناظر ادبی کی خدمت شبیر حسن خاں صاحب جوش ملیح آبادی کے سپرد تھی جو ابھی ابھی فرمان خسروی کی بناء پر وظیفہ پر علیحدہ ہوئے۔ پرگو شاعر ہیں۔ غیر معمولی جوش اور رندمزاجی کے باعث ان کی شاعری نوجوانوں میں کافی مقبول ہے۔

۵

کتابوں کے تراجم و تالیف کا انتظام اس طرح کیا جاتا ہے کہ جامعہ کی مختلف مجالس نصاب اپنی اپنی ضرورت کی کتابوں کو منتخب کرتی ہیں۔ اور مجالس اعلیٰ سے منظوری حاصل کرنے کے بعد ان کی یہ تحریک دارالترجمہ کو روانہ کی جاتی ہے۔ دارالترجمہ میں دو قسم کے مترجم ہیں۔ ایک وہ جو خود محکمہ میں رکن ہیں اور دوسرے بیرونی اصحاب جن میں زیادہ تر پروفسران کلیہ جات اور ماہرین فن شامل ہیں۔ جو مترجم رکن دارالترجمہ ہیں، فلسفہ، سیاسیات، تاریخ، معاشیات، قانون، ریاضی، اور طب وغیرہ کا ترجمہ کرتے ہیں۔ باہر کے مترجمین کو بالعموم طبعیات، کیمیا، نباتیات، حیوانیات، انجنیری اور تعلیم المعلمین کی کتابیں ترجمہ کے لئے دی جاتی ہیں۔ تکمیل ترجمہ کے بعد نظر ثانی کے لئے کسی دوسرے ماہر فن کا تقرر کیا جاتا ہے نظر ثانی اور مذہبی و ادبی نقطۂ نظر سے جانچ پڑتال ہو چکنے کے بعد مسودہ مطبع کو روانہ کیا جاتا ہے۔

محکمہ کا ایک علحدہ ذاتی مطبع ہے جو دارالطبع جامعہ عثمانیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اور جس کے سالانہ اخراجات (۹۷۵۳۷) روپئے ہیں۔

اس وقت دارالترجمہ میں ناظم اور نائب ناظم کے علاوہ ۹ مترجم ایسے ہیں جنکی یافت ۳۵۰ تا ۶۰۰ ہے۔ اور ۶ ایسے ہیں جنکی یافت ۲۵۰ تا ۴۰۰ ہے۔ تین جائدادیں اور ہیں جنکی ماہوار ۵۰۰ ہے ان کے علاوہ چوبیس پچیس معمولی جائدادیں بھی ہیں اس طرح اس محکمہ کا سالانہ خرچ (۲۶۱۴۱۵) روپیئے ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعلیٰحضرت سلطان العلوم کی دریا دلی اردو زبان کو کس طرح سیراب کر رہی ہے۔

۶

دارالترجمہ میں ہر روز کسی نہ کسی فن کی ایک مجلس وضع اصطلاحات منعقد ہوتی ہے جسمیں اردو زبان کی موجودہ ضرورتوں کے لحاظ سے علمی اور فنی اصطلاحیں وضع کی جاتی ہیں۔ اکثر مترجمین کو

اپنے کام کے سلسلہ میں ایسی انگریزی اصطلاحوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے جن کے مترادف الفاظ اردو میں موجود نہیں ہیں۔ اس قسم کے انگریزی الفاظ کی فہرستیں متعلقہ مجالس اصطلاحات میں روانہ کی جاتی ہیں جہاں ان خاص علوم و فنون کے ماہرین کے علاوہ ایسے اصحاب بھی شریک رہتے ہیں جنھیں عربی، فارسی، یا اردو زبان اور اس کے لفظی خزانہ سے واقفیت ہوتی ہے اول الذکر اصحاب کا ذکر مترجمین کے سلسلہ میں کیا جائے گا۔ موخر الذکر میں حسب ذیل شامل ہیں۔ حیدر یار جنگ طباطبائی مرحوم، مولوی عبداللہ عمادی، ڈاکٹر عبدالحق، مولوی عبدالباری ندوی، مرزا محمد ہادی رسوا مرحوم، وحید الدین سلیم مرحوم، سید سجاد حسین، سید شمس اللہ قادری صاحب، اور مصنف کتاب ہذا۔

اصطلاح سازی کا کام نہایت اہم اور ذمہ داری کا کام ہے، ابتدا میں ان مجالس میں بہت رد و کد ہوتی رہتی۔ چودھری برکت علی، مرزا محمد ہادی رسوا، حیدر یار جنگ طباطبائی اور وحید الدین سلیم آج موجود نہیں ہیں لیکن ان چاروں حضرات کو اصطلاح سازی سے خاص شغف تھا، اور دراصل یہی ان مجالس کے رکن رکین تھے۔ بعض وقت انہی علمی بحثوں کے سلسلہ میں ان کے آپس میں رنجشیں بھی ہو جاتی تھیں۔ مگر ان کے بحث مباحثوں اور رد و کد ہی کا نتیجہ ہے کہ اب اردو میں اصطلاح سازی کی بہت سی دقتیں حل ہو گئیں ہیں اور انہی کے بنائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں موجودہ اراکین کام کرتے ہیں خاصکر وحید الدین سلیم مرحوم کی کتاب "وضع اصطلاحات" نہ صرف مترجمین جامعہ بلکہ آئندہ کئی سال تک اردو انشا پردازوں اور مترجموں کی رہنمائی کرتی رہے گی۔

گذشتہ ۱۷ سال کے عرصہ میں یعنی ۱۹۳۳ء[1] تک دارالترجمہ میں ۳۵۸ کتابیں تیار ہوئیں جن میں سے تاریخ مشرقی پر ۱۴۳ ۔ تاریخ انگلستان و یورپ وغیرہ پر ۲۳ ۔ تاریخ اسلام پر ۲۶ ۔۔۔

---

[1] مذکورہ اعداد و شمار دارالترجمہ کی روداد ترقی مطبوعہ فہرست سے ماخوذ ہیں جو ۱۹۳۳ء کی مرتبہ ہے۔

جغرافیہ پر ۵۔ سیاسیات پر ۱۳۔ دستور انگلستان پر ۴۔ معاشیات پر ۱۳۔ عمرانیات پر ۲۔ فلسفہ پر ۱۶۔ منطق پر ۴۔ مابعد الطبیعیات پر ۳۔ نفسیات پر ۱۱۔ اخلاقیات پر ۱۱۔ ریاضیات پر ۲۲۔ طبعیات پر ۲۳۔ حیاتیات پر ۸۔ کیمیا پر ۱۸۔ طب پر ۲۳۔ انجنیری پر ۴۰ اور مختلف موضوعوں پر ۴ کتابیں لکھی گئیں۔ آج کل تعلیم المعلمین کی کتابوں کا بھی ترجمہ کیا جا رہا ہے۔

(۸)

آخر میں اُن انشا پردازوں اور ماہرینِ علوم و فنون کا ایک اجمالی ذکر بھی ضروری ہے جنہوں نے دارالترجمہ کی متذکرۂ بالا کتابیں لکھ کر اُردو زبان اور ادب میں بیش بہا اضافہ کیا۔ اگرچہ تالیف و ترجمہ کے صلہ میں ان سبھوں کو خاطرخواہ رقمی معاوضہ حاصل ہوا لیکن ان علمی کتابوں کی وجہ سے انہوں نے اپنی مادری زبان کی ایسی اہم خدمت کی ہے اور اردو کو ہندستان کی دوسری زبانوں کے مقابلہ میں اس قدر مستحکم کر دیا ہے کہ اُن کے نام اس زبان کی تاریخ میں ہمیشہ سنہرے حروف میں درخشاں رہیں گے۔ چونکہ دارالترجمہ نے اپنے ملازم مترجمین کے علاوہ دیگر اصحابِ علم و فضل سے بھی ترجمہ کا کام لیا ہے اسلئے اس کا ہاتھ بٹانے اور اس کو کامیاب بنانے والوں کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب پہنچ گئی ہے۔ ان سب کے ایک اجمالی ذکر کیلئے بھی کئی صفحے درکار ہوں گے اسلئے ہم یہاں صرف انہی اصحاب کا ذکر کریں گے جنہوں نے اس وقت تک دارالترجمہ کیلئے دو سے زیادہ کتابیں ترجمہ کی ہیں۔ پہلے ہم اُن اصحاب کا ذکر کرتے ہیں جنہیں دارالترجمہ کیلئے دس یا اس سے زیادہ کتابوں کا ترجمہ یا تالیف کرنے کا موقع ملا۔ ان میں قاضی تلمذ حسین صاحب، قاضی محمد حسین صاحب، سید ہاشمی فریدآبادی صاحب، چودھری برکت علی مرحوم، فدا علی طالب صاحب، مرزا محمد ہادی رسوا مرحوم، عبدالرحمٰن خاں صاحب اور حمید احمد انصاری صاحب شامل ہیں۔

اول الذکر خود دارالترجمہ کے رکن ہیں۔ انہوں نے تاریخ انگلستان، تاریخ یورپ اور دستور سیاسیات وغیرہ سے متعلق اس وقت تک ۲۲ کتابوں کا ترجمہ کیا اور یہ اُردو زبان کی کوئی کم خدمت نہیں ہے۔ قاضی محمد حسین صاحب

کلیہ جامعہ عثمانیہ کے نائب صدر اور پروفیسر ریاضی ہیں انہوں نے ریاضیات اور انجینرنگ سے متعلق اب تک ۲۱ کتابیں اردو میں منتقل کیں اور ان علوم کی مجالس وضع اصطلاحات میں شریک رہتے ہیں۔

مولوی سید ہاشمی فرید آبادی صاحب دارالترجمہ میں رکن تھے مگر ابھی ابھی دفتر معتمدی تعلیمات و عدالت میں منتقل ہو گئے ہیں دارالترجمہ کیلئے انہوں نے ۴ کتابیں ہندستان اور یورپ کی تاریخ سے متعلق لکھیں۔ ہاشمی صاحب کو شعر و شاعری سے بھی خاص شغف ہے چنانچہ "نظم ہاشمی" کے علاوہ بعض نفیس نظمیں رسالہ اردو وغیرہ میں شایع ہو چکی ہیں۔ چودھری برکت علی مرحوم کلیہ جامعہ عثمانیہ میں پروفیسر تھے طبعیات اور کیمیا کے متعلق ۴ کتابیں لکھیں چونکہ فارسی سے بھی انکا تعلق تھا ترجمہ اور وضع اصطلاحات سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔

فدا علی طالب صاحب دارالترجمہ کے رکن ہیں انہوں نے فارسی تاریخوں مثلاً فرشتہ، داؤدی وغیرہ کے ترجمے کیے اور اس طرح ۱۳ کتابیں اردو میں منتقل کیں۔ مرزا محمد ہادی مرحوم دارالترجمہ کے مایہ ناز مترجمین اور اردو کے مشہور انشاپردازوں میں سے تھے کچھ عرصہ کیلئے کلیہ جامعہ عثمانیہ میں فلسفہ و منطق کے درس بھی دیئے ہیں۔ انہی موضوعوں پر دارالترجمہ کیلئے انہوں نے ۱۱ کتابیں اردو میں منتقل کیں۔

مولوی عبد الرحمن خاں صاحب کلیہ جامعہ عثمانیہ کے صدر ہیں اور ہندستان کے ماہرین تعلیم اور علمائے طبعیات میں خاص اہمیت رکھتے ہیں دارالترجمہ کی اکثر مجالس وضع اصطلاحات کے صدر ہیں اور اس کیلئے اردو میں ۔ ۱ کتابیں لکھیں۔ مولوی حمید احمد انصاری صاحب جامعہ عثمانیہ کے سیکل میں ہیں انہیں اردو کا بہت اچھا ذوق ہے وضع اصطلاحات سے بھی دلچسپی ہے ہندستان یورپ اور خاصکر روما کی تاریخ کے متعلق اپنی دس کتابوں کے ذریعہ سے اردو ادبیات میں اضافہ کیا ہے۔

اب ان پندرہ اصحاب کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے دارالترجمہ کیلئے پانچ سے زیادہ کتابیں لکھیں وہ۔

احسان احمد صاحب دارالترجمہ میں رکن ہیں فلسفہ نفسیات اور اخلاقیات پر ۹ کتابوں کا ترجمہ کیا ابو الخیر مودودی صاحب رشید احمد صدیقی صاحب، محمد نذیر الدین صاحب، اور محمد عبد الستار صاحب بھی دارالترجمہ کے اراکین ہیں ان سبھوں نے آٹھ آٹھ کتابوں کا ترجمہ کیا۔ اول الذکر نے عربی کی مشہور تواریخ اردو میں منتقل کیں۔ رشید احمد صاحب معاشیات اور تاریخ کے مترجم ہیں

نذیر الدین صاحب۔ اور عبد الستار صاحب کلیہ جامعہ عثمانیہ ہی کے تعلیم یافتہ ہیں اول الذکر نے ریاضی کی موخر الذکر نے تاریخ ہند کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔

ضیاء الدین انصاری صاحب بھی کلیہ جامعہ عثمانیہ ہی کے ایک سپوت ہیں اردو سے خاص دلچسپی ہے انجنیرنگ کی مجلس وضع اصطلاحات کے رکن ہیں۔ روانگی یورپ سے قبل کلیہ جامع عثمانیہ میں ریاضی کے پروفیسر تھے اب عثمانیہ انجنیرنگ کالج کے پروفیسر ہیں۔ انجنیرنگ کے مختلف موضوعوں پر ۸ کتابیں اردو میں منتقل کیں۔

سید محمد ابراہیم ندوی صاحب۔ اور ڈاکٹر محمد عثمان خان صاحب، دونوں دار الترجمہ کے ارکین ہیں اور سات سات کتابوں کے مترجم اول الذکر نے عربی تواریخ کا ترجمہ کیا اور موخر الذکر نے طبی کتب کا۔ مولوی مسعود علی صاحب بھی دار الترجمہ کے ایک ممتاز رکن ہیں۔ فارسی کے مشہور شاعر ہیں۔ قانون کی لغت تیار کر رہے ہیں۔ اس وقت تک قانون، دستور اور تاریخ وغیرہ کی نسبت ۸ کتابیں اردو میں منتقل کیں معتضد ولی الرحمن صاحب کلیہ جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر ہیں نفسیات پر چھ کتابوں کا ترجمہ کیا ہے۔

عبد الباری ندوی صاحب۔ محمد الیاس برنی صاحب، سید علی رضا صاحب، ڈاکٹر افضل کریم صاحب، اور ڈاکٹر اشرف الحق صاحب میں سے ہر ایک نے پانچ پانچ کتابیں اردو میں منتقل کیں۔ اول الذکر دو صاحبین اردو کے اچھے مصنفین ہیں اور کلیہ جامعہ عثمانیہ میں پروفیسر۔ عبد الباری صاحب نے فلسفہ کی اور الیاس برنی صاحب نے معاشیات کی کتابیں لکھیں، علی رضا صاحب نے دستور انگلستان، اور قانون کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر افضل کریم دار الترجمہ کے رکن ہیں اور طب کے مترجم۔ ڈاکٹر اشرف الحق گولکنڈہ میں فوج کے مشہور ڈاکٹر ہیں۔ لکھنے کا خاص ملکہ حاصل ہے۔ چنانچہ حال میں تجدید شباب اور درازی عمر وغیرہ سے متعلق ان کے کئی رسائل شائع ہو چکے ہیں۔ انھوں نے بھی دار الترجمہ کے لئے طب کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔

عنایت اللہ صاحب، عبد اللہ عمادی صاحب، ہارون خان صاحب، ابن حسن صاحب، اور خلیفہ عبد الحکیم صاحب نے دار الترجمہ کیلئے چار چار کتابیں لکھیں۔ اول الذکر اس محکمہ کے ناظم ہیں۔ یونان سے متعلق کتابوں کا ترجمہ کیا اور اندلس کا ایک تاریخی جغرافیہ بھی مرتب کیا۔ عمادی صاحب، اپنے علم و فضل اور انشاء پردازی کی وجہ سے اقصائے ہندوستان میں مشہور ہیں دار الترجمہ میں ناظر مذہبی کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ مجلس وضع اصطلاحات میں شریک ہوتے ہیں اور عربی تواریخ کا ترجمہ کیا ہے۔

ہارون خاں صاحب، اور ابن حسن صاحب، کلیہ جامعہ عثمانیہ میں تاریخ کے پروفیسر ہیں اور اسی موضوع سے متعلق اردو میں کتابیں منتقل کیں، عبدالحکیم صاحب کلیہ میں فلسفہ کے پروفیسر ہیں شعر و شاعری کا ذوق رکھتے ہیں دارالترجمہ کے لئے فلسفہ ہی سے متعلق کتابوں کا ترجمہ کیا۔

کشن چند صاحب، شیخ برکت علی صاحب، سعید الدین صاحب، جمیل الرحمن صاحب، حکیم عبدالسلام صاحب، عزیز الرحمن صاحب، اور ڈاکٹر شہنواز صاحب ہیں سے ہر ایک نے تین تین کتابوں کا ترجمہ کیا ہے پہلے چاروں کلیہ جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر ہیں کشن چند صاحب اور برکت علی صاحب کی کتابوں کے موضوع ریاضی ہیں سعید الدین صاحب کی کتابوں کا نباتیات اور جمیل الرحمن صاحب کی کتابوں کا تاریخ اسلام، حکیم عبدالسلام صاحب نے تاریخ، ڈاکٹر شہنواز صاحب نے طب اور عزیز الرحمن صاحب نے انجنیری کی کتابوں کے ترجمے کئے۔

آخر میں دارالترجمہ کے جدید ترین مترجموں کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے جو "تدریسیات" کے متعلق اردو زبان میں کتابیں منتقل کر رہے ہیں۔ ان میں سجاد مرزا صاحب، محمد عثمان صاحب، نواب احمد علی خاں صاحب اور ڈاکٹر سٹر کر کے نام خاص کر قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر ٹریننگ کالج کے صدر ہیں اور اپنے موضوع سے متعلق تالیف و تراجم کے علاوہ اردو قاعدہ اور جغرافیہ وغیرہ کی مفید کتابیں شائع کر چکے ہیں بقیہ تینوں اصحاب اس کالج کے پروفیسر ہیں۔ محمد عثمان صاحب اردو کے اچھے انشا پرداز ہیں ان کی کتاب "نفسیات تعلیمی" خاص مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دارالترجمہ نے اپنی سترہ سالہ زندگی میں اردو زبان کی ناقابل فروگزاشت خدمت کی ہے متفرق قدیم و جدید علوم و فنون کے متعلق ۳۵۰ کتابوں کو لکھوا کر شائع کرنا اور قریب ڈیڑھ سو لکھنے والوں کی امداد و سرپرستی کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ اس محکمہ کی وجہ سے بیسیوں ایسے اصحاب فارغ البالی کے ساتھ تالیف و ترجمہ میں ہمہ وقت ہو گئے جو شاید ہی کسی اور ذریعہ سے اس طرح اطمینان کی زندگی بسر کر سکتے۔ اور بیسیوں ایسے اصحاب اردو کے محسن بن گئے جو کبھی اردو میں قلم نہ اٹھاتے اگر یہ محکمہ ان سے ترجمہ کرنے کی خواہش نہ کرتا۔

حصہ دوم

سلطان العلوم کی سرپرستی کے اثرات

۱۔ انفرادی کوششوں کی کثرت

۲۔ اجتماعی خدمات

۳۔ حیدرآباد میں اردو زبان کی اصلاح و ترقی اور بولنے والوں میں اضافہ

۴۔ حیدرآباد کے باہر اردو زبان کا دوسری ہندوستانی زبانوں کے مقابلہ میں استحکام و تقویت اور اس کا ہمہ گیر اثر۔

۵۔ ضمیمہ۔ عہدِ عثمانی کے اُن شاعروں، انشاپردازوں، انجمنوں، اداروں، اخباروں اور رسالوں کی فہرستیں جن کا تذکرہ اس کتاب میں مختلف مقامات پر مندرج ہے

۱۰

انفرادی کوششوں
کی
کثرت
ا۔ جامعہ عثمانیہ سے باہر کے شاعر اور انشا پرداز
ب۔ فرزندان جامعہ عثمانیہ

گذشتہ چوبیس سال کے عرصہ میں سرکاری قدر افزائی اور اعلیٰحضرت سلطان العلوم کی فیاض سرپرستی کی وجہ سے اردو زبان و ادب کی ترقی کے جو وسائل مہیا کئے گئے ان کا اثر یہ ہوا کہ ملک میں ہر طرف اردو کا ذوق پھیل گیا، اس میں شعر و شاعری اور تصنیف و تالیف کرنے والے کثرت سے پیدا ہونے لگے، اور اجتماعی کوششیں بھی بارور ہونی شروع ہوئیں۔

عہد عثمانی کے ان تمام خدمت گزاران اردو کا تذکرہ اس کتاب کے حصۂ اول میں گذر چکا ہے جن کی قدر افزائی منصبوں، ماہواروں، اور انعامات کے ذریعہ سے کی گئی، یا جو جامعہ عثمانیہ میں کام کر رہے ہیں، یا جن کی کوششیں عہد حضرت غفران مکان میں یا اوائل عہد عثمانی سے جاری تھیں۔ اب ان انشا پردازوں اور شاعروں کا ذکر کیا جاتا ہے جو اس عہد کی پیدا کی ہوئی علمی و ادبی فضا سے متاثر ہوئے۔ اور زیادہ تر اپنے ذاتی شوق کی بنا پر اردو کی خدمت کر رہے ہیں، اور جن کی ادبی مصروفیتوں کا آغاز گذشتہ پندرہ بیس سال کے اندر ہی ہوا ہے۔ یہ انشا پرداز دو گروہوں میں منقسم کیے جا سکتے ہیں۔ ایک وہ جو جامعہ عثمانیہ کے تعلیم یافتہ ہیں اور دوسرے وہ جنہیں اس سے تعلق نہیں۔

پہلے ہم دوسرے گروہ کی شاعری اور انشا پردازی کا ذکر کریں گے۔ ان میں عظمت اللہ خاں مرحوم، سراج الدین صاحب طالب، آزاد انصاری صاحب، صدق جائسی صاحب، مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب، تمکین کاظمی صاحب، ج۔ نقوی صاحبہ، فضل الرحمن صاحب، مرزا عصمت اللہ بیگ صاحب، مرزا محی الدین بیگ صاحب، ابو المعظم عبد الغفار صاحب، قاضی زین العابدین صاحب، طاہر علی خان صاحب مسلم، میر خان صاحب غربت، رشید احمد صاحب، غلام رسول صاحب، محسن خان صاحب متین، کیپٹن اعجاز علی شہرت، مرزا حسین احمد بیگ صاحب، ابو الخیر خیر اللہ صاحب، سید بادشاہ حسن صاحب، ناکارہ صاحب،

تصدق حسین صاحب تاج، راگھویندر راؤ صاحب جذب، رجی شنکر راؤ صاحب، تسکین عابدی صاحب اسد اللہ نوادری صاحب، معین الدین صاحب رہبر، اختر صاحب، فانی صاحب وغیرہ زیادہ قابل ذکر ہیں۔

(۲)

عظمت اللہ خان مرحوم شاعری اور ادب کا نہایت نفیس مذاق رکھتے تھے۔ ان کے مضامین شگفتگی بیان، خیالات کی ندرت، اور مطالب کی گہرائیوں کے باعث اردو زبان میں بے نظیر ہیں۔ اور اُن کی نظمیں جدت مضامین، ہندی بحروں، اور خصوص قنوطیت کی وجہ سے اردو شاعری میں ایک نئے باب کا آغاز کرتی ہیں۔ افسوس ہے کہ ان کی بے وقت وفات نے اردو کو ایک بہت بڑے محسن سے محروم کر دیا۔

سراج الدین صاحب طالب حیدرآباد کے ایک پختہ مشق انشا پرداز ہیں۔ ان کے تنقیدی اور تاریخی مضامین اکثر رسائل میں شایع ہو چکے ہیں اور چاہئیے تو یہ تھا کہ ان کا ذکر حصہ اول ہی میں مندرج ہوتا مگر گذشتہ چند سال ہی میں انھوں نے بعض نہایت اہم اور معرکتہ الآرا کتابیں لکھیں اس لئے جدید مصنفین میں شامل کئے گئے۔ میر عالم، شیر جنگ، نظام علی خان کی سوانحعمریاں تلاش و تحقیق صحیح مورخانہ نقطۂ نگاہ، اور شگفتہ اسلوب بیان کی وجہ سے اردو ادب میں قابل قدر اضافہ ہیں۔

حکیم آزاد انصاری حالی کے مقلد ہیں۔ ان کی نظمیں لفظی صنعت گری، اور جدید قومی اور اصلاحی نقطۂ نظر کا بہترین آئینہ ہوتی ہیں۔ صدق جائسی صاحب اُردو کے نوجوان شعرا میں خاص درجہ رکھتے ہیں۔ زبان کی لطافت اور خیالات کی نفاست ان کے کلام کی اہم خصوصیتیں ہیں۔ کچھ عرصہ سے ان کی چند ہجویہ نظمیں بہت مقبول ہو رہی ہیں، اور کوئی تعجب نہیں اگر اردو ادب میں خاص اہمیت پیدا کر لیں۔

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب ظرافت نگار انشا پرداز ہیں۔ ان کے متعدد ظریفانہ ادبی اور تنقیدی مضامین ہندوستان کے اکثر رسائل میں شایع ہوتے رہتے ہیں جن کے چار مجموعے بھی چھپ چکے ہیں جنہیں خاص مقبولیت حاصل ہوئی۔ انجمن ترقی اردو کے لئے انہوں نے "دیوان یقین" نہایت خوش اسلوبی سے مرتب کر کے شایع کیا۔ شاعری سے بھی لگاؤ ہے اور نظم و نثر دونوں میں ان کی شگفتہ بیانی نمایاں رہتی ہے۔

سید مصباح الدین تمکین کاظمی صاحب بھی ظرافت نگار ہیں۔ تنقیدی مضمونوں اور افسانوں سے بھی شغف ہے۔ ان کا ایک مجموعہ "غنچۂ تبسم" اور "تذکرۂ ریختی" شایع ہو چکا ہے۔ انہوں نے "معاشقۂ نپولین" اور اسکر وائلڈ کے ایک ڈرامہ "ارنسٹ" کا بھی ترجمہ کیا ہے جس میں عبد المنعم سعیدی صاحب برابر کے حصہ دار ہیں۔ محترمہ ج۔ نقوی صاحبہ ایک پختہ مشق انشا پرداز ہیں اور ہر موضوع پر نہایت خوش اسلوبی اور سلیقہ کے ساتھ مضامین لکھتی ہیں۔

(۴)

ابو المعظم قاضی عبد الغفار صاحب حیدر آباد کے مشہور لکھنے والے ہیں۔ مذہبی، اصلاحی اور سماجی کتابیں مثلاً "مہر تاباں" "مصلح کار" "مسلمان اور شادی" اور "بازیچۂ اطفال" وغیرہ کے مصنف ہیں۔ بچوں اور عورتوں کی اصلاح و تربیت کے لئے ان کی کتابیں اور رسالے نہایت مفید اور دلچسپ ہیں۔

مرزا عصمت اللہ بیگ صاحب، مرزا محی الدین بیگ صاحب اور فضل الرحمن صاحب تینوں کو ڈراموں سے دلچسپی ہے۔ اول الذکر نے متعدد شگفتہ مضامین بھی شایع کئے ہیں اور ان کا ایک ڈرامہ "غلط در غلط" چند روز پہلے پیش ہو کر خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ محی الدین بیگ صاحب نے کئی ڈرامے مثلاً "صلائے عام" اور "فریب تخیل" وغیرہ لکھے۔ موخر الذکر نے بھی کئی اعلیٰ ڈرامے لکھے مثلاً "ظفر و یاسمین" "نئی روشنی" اور "حشرات الارض" وغیرہ جن کا ذکر آئندہ فصل میں مندرج ہے۔ ان حضرات کی مساعی کی

کامیابیوں نے حیدرآباد میں صنف ڈرامہ کے لئے ایک نیا مستقبل پیدا کر دیا ہے۔

قاضی زین العابدین صاحب عابدؔ، طاہر علی خان صاحب مسلمؔ، میر جان صاحب غربتؔ، اور رشید احمد صاحب، چاروں نظام کالج کے مشہور تعلیم یافتوں میں سے ہیں اور اپنے ذوق شعر و سخن یا انشا پردازی کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ قاضی صاحب کہنہ مشق شاعر ہیں اور حیدرآباد کے مشہور اردو و فارسی شاعر قاضی صدیق احمد صاحب فہیمؔ کے عزیز ہیں۔ غارہائے ابلورا و اجنٹا پر انھوں نے ایک طویل نظم لکھی ہے۔ ان کی بعض دلچسپ نظمیں شایع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ میر جان صاحب نے نظام کالج میگزین اور رسالۂ ارتقا یونین پلی کے ارتقائی مدارج میں قابل قدر امداد کی رشید احمد صاحب نے چند کتابوں کے اچھے ترجمے مثلاً "کسب معیشت" وغیرہ شایع کیئے۔

غلام رسول صاحب اور محسن خان صاحب متینؔ دونوں سنجیدہ انشا پرداز ہیں۔ اول الذکر نے جغرافیہ اور حساب کے متعدد رسالے مرتب کیئے جو مدارس سرکاری کے نصاب میں شامل ہیں ہندی سے شغف رکھتے ہیں چنانچہ کئی ہندی افسانوں کے ترجمے شایع کر چکے ہیں محسن خان صاحب متینؔ کو اردو زبان کے قواعد اور حروف ہجا وغیرہ سے خاصی دلچسپی ہے۔ اس کی نسبت اچھے مضامین اور کتابیں لکھ چکے ہیں۔ بچوں کے لئے اخلاقی قصوں کا دلچسپ مجموعہ "راہ سعادت" بھی شایع کیا ہے۔ فارسی زبان اور ادب سے متعلق اردو میں جدید ترین معلومات کا اضافہ بھی کرتے رہتے ہیں۔

(۴)

اعجاز علی صاحب شہرتؔ شاعر ہیں اور انشا پرداز بھی کچھ عرصہ سے حیدرآباد کی قدیم تہذیب کے مختلف پہلوؤں پر مفید اور پر از معلومات مضامین شایع کر رہے ہیں۔ ابو الخیر خیر اللہ صاحب خیرؔ اچھے مضمون نگار ہیں، اور اپنے اصلاحی اور مذہبی مضامین کی وجہ سے مشہور ہو رہے ہیں۔ سید محمد بادشاہ حسینی صاحب سرکاری واعظ اور حیدرآباد کے مشہور مشایخین سے ہیں مجلس علمائے دکن کے

معتمد بھی ہیں۔ انشا پردازی سے شغف ہے۔ ان کے مضامین پرجوش اور آزاد اسلوب بیان کے باعث شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔

مرزا حسین احمد بیگ صاحب نے اپنی دلچسپ کتابوں "پردیس کی باتیں" اور "سیاہ کار عورتیں" کی وجہ سے کافی شہرت حاصل کر لی ہے۔ سید بادشاہ حسن صاحب اور ...... ناکارہ صاحب نظام کالج کے ممتاز تعلیم یافتہ ہیں۔ اول الذکر کو افسانوں اور ڈراموں کا اچھا ذوق ہے۔ ان کے دو تین دلچسپ ڈرامے نظام کالج کی بزم ادب کی جانب سے پیش کیے جا چکے ہیں۔ موخر الذکر مزاحیہ مضمونوں اور افسانوں کی وجہ سے مشہور ہیں۔

تصدق حسین صاحب تاج کو شاعری سے دلچسپی ہے۔ ان کے شایع کردہ مجموعے "عشق و محبت" اور "دو آتشہ" سے ان کے اچھے ذوق سخن کا پتہ چلتا ہے۔ راگھویندر راؤ صاحب جذب کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اور حال میں رباعیوں کا ایک مجموعہ شایع کیا ہے۔ ان کی اکثر رباعیاں سنسکرت اشلوکوں کے کامیاب ترجمے ہیں۔ سید عبد الکریم تسکین عابدی صاحب نوجوان مضمون نگار ہیں جن کے متعدد افسانے شایع ہو چکے ہیں۔

جی شنکر راؤ صاحب، سید احمد اللہ قادری صاحب، اور محمد معین الدین صاحب رہبر فاروقی تینوں حیدرآباد کے نوجوان انشا پرداز ہیں۔ اول الذکر نے کئی افسانے لکھے یا ترجمہ کئے ہیں۔ احمد اللہ صاحب تاریخی و تنقیدی مضامین کے علاوہ میر حسن کی مثنوی "رموز العارفین" اور "عثمان نامہ" شایع کر چکے ہیں۔ رہبر صاحب کو تاریخ و تحقیق کا ذوق ہے۔ کئی مضامین شایع کیے ہیں اور ایک کتاب مہاراجہ چندو لال اور ان کی خدمات شعر و سخن پر لکھی ہے۔ اختر صاحب باغ کے فرزند ہیں اور شعر و سخن کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ فانی بدایونی ابھی ابھی حیدرآباد آئے ہیں اور شاعری کی وجہ سے مشہور ہو رہے ہیں۔

—٭—

(۵)

حیدرآباد کے عہد حاضر کے خدمت گذاران اردو کا دوسرا گروہ فرزندان جامعہ عثمانیہ پر مشتمل ہے
ان کے گذشتہ سال تک کے اردو کارناموں کی ایک فہرست "جامعہ عثمانیہ کے فرزندوں کی اُردو
خدمات" کے ساتھ شایع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں صرف خاص خاص اصحاب کا ایک سرسری
تذکرہ ضروری ہے۔ اگرچہ ان میں سو کے قریب اصحاب اردو کی خدمت گزاری میں سرگرم ہیں لیکن
تقریباً چالیس ایسے ہیں جن کا ذکر ناگزیر ہے۔

ان چالیس اہل قلم میں سے دس اصحاب یعنے ڈاکٹر میر ولی الدین، ڈاکٹر سید جعفر حسن،
ضیاءالدین انصاری صاحب، محمد نذیرالدین صاحب، محمد عبدالستار صاحب، عبدالمجید صدیقی صاحب،
میر محمود علی صاحب، غلام طیب صاحب، عبدالقادر سروری صاحب اور سید محمد صاحب کا تذکرہ
جامعہ عثمانیہ اور دارالترجمہ کے سلسلہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں بقیہ اصحاب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سید وقار احمد صاحب، حبیب اللہ رشدی صاحب، معین الدین قریشی صاحب، اور
محمد عبدالسلام صاحب ذکی جامعہ عثمانیہ کے اولین طالب علم ہیں۔ اول الذکر دونوں نظام گزٹ کے
مدیر اور موسس ہیں۔ وقار احمد صاحب نے انگریزی نظموں اور ڈراموں کے ترجمے کیے ہیں جن میں
کتاب "براؤننگ" اور ترجمۂ شکسپیر "ہنری چہارم" شایع ہو چکے ہیں۔ رشدی صاحب شاعر اور
مضمون نگار کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ قریشی صاحب "مجلۂ عثمانیہ" کے اولین مدیروں سے ہیں۔ ان کی
تحریر میں خاص شگفتگی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف کی کتاب "غالب" کا نفیس ترجمہ کیا۔ ذکی صاحب
شاعر بھی ہیں انشا پرداز بھی۔ کلام کے کئی مجموعے "جذبات عالیہ" "روح سخن" اور "گلزار اطفال" وغیرہ
شایع کر چکے ہیں حال میں ان کا "شہادت نامہ" بھی مقبول خاص و عام ہوا ہے۔

سید محمد اکبر وفا قانی صاحب اور محمد عبد الرحمن صاحب حسن کاروان منشور کے مدیر ہیں جن کا
تذکرہ گذر چکا ہے۔ دونوں کی تحریریں بے باک اسلوب اور صداقت بیان کی وجہ سے دلچسپ ہوتی
ہیں۔ اول الذکر کو شاعری سے بھی شغف ہے۔ موخر الذکر کی کتابیں "قواعد اردو" اور "سیرت اور کردار"
بھی چھپ چکی ہیں۔ محمد امیر صاحب "امیر" اور میر حسن الدین صاحب دونوں شاعر ہیں امیر کی نظموں کا مجموعہ
"من کی بانسری" انگریزی نظم "ربی بن عذرا" کا ترجمہ "شیب و شباب" اور "حیات سلیم" وغیرہ
شائع ہو چکی ہیں۔ حسن الدین صاحب نے فلسفہ سے متعلق کئی مضامین لکھے اور کتابوں کے ترجمے
کیے جن میں "مبادی فلسفہ" شائع ہو چکی ہے۔

(۶)

غلام دستگیر صاحب رشید نظام کالج میں فارسی کے پروفیسر ہیں۔ مجلہ عثمانیہ کے مدیر تھے فارسی
ادب سے متعلق کئی اعلیٰ مضامین اور کتابیں لکھ چکے ہیں۔ گرو داس صاحب کو بھی اردو سے شغف ہے
ان کی کتاب "جیون چریتر" (سوانح راجہ تیج رائے آنجہانی) شائع ہو چکی ہے۔ عبد القیوم صاحب باقی
جلال الدین صاحب اشک، ندیم الحسن صاحب تاثیر، نبی الحسن صاحب شمیم اور ابو الکلام
بدر الدین صاحب بدر اردو کے اچھے شاعر ہیں۔ ان سبھوں کا کلام رسائل میں چھپتا رہتا ہے، اور بعض
کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ خاص کر بدر کی نظمیں روز بروز مقبول ہو رہی ہیں۔ بدر الدین صاحب شکیب
مجلہ عثمانیہ کے مدیر تھے اور صحافت پر کتاب لکھ رہے ہیں۔

محشر عابدی صاحب اور شبیر حسن صاحب قیس دونوں کو افسانوں کا اچھا ذوق ہے چنانچہ
اول الذکر کا مجموعہ "محشرستان" مقبول ہو چکا ہے۔ موخر الذکر کے کئی افسانے چھپ چکے ہیں اور انہیں
بعض رسائل کی ادارت سے بھی تعلق ہے۔

ابو المکارم شیخ محمد صدیقی صاحب، محمد عبد الحفیظ صاحب، محمد حمید اللہ صاحب، شیخ چاند صاحب

اور احمد عبداللہ مسدوسی صاحب اُردو کے سرگرم خدمت گذاروں میں سے ہیں۔ اول الذکر دو صحافیوں نے طبعیات د ریاضی اور عام سائنس سے متعلق اردو میں نصابی کتابیں مثلاً "حفظ صحت" "مبادیات سائنس" "مطالعۂ قدرت" نصاب طبعیات وغیرہ لکھیں۔ اول الذکر کی جدید ترین تصنیف "مصلحان تعلیم" اردو زبان میں اپنے موضوع پر پہلی کتاب سمجھی جا سکتی ہے۔ محمد حمید اللہ صاحب "الکشافہ" کے مدیر تھے۔ متعدد موضوعوں پر نہایت محققانہ مضامین اور رسائل لکھے۔ شیخ چاند صاحب مجلّۂ عثمانیہ کے مدیر تھے۔ تحقیقی و تنقیدی مضامین کے علاوہ "ملک عنبر" اور "ایکناتھ" کی دلچسپ سوانح عمریاں شایع کیں۔ مرزا رفیع سودا پر بھی تحقیقی کام کیا ہے۔ احمد عبداللہ مسدوسی صاحب کے مختلف مضامین کے علاوہ ایک کتاب "اسوۂ حسنہ" قابل ذکر ہے۔

نور اللہ محمد صاحب نوریؔ، رضا حسین خان صاحب رشیدؔ اور علی حسنین صاحب زیباؔ تینوں اعلیٰ پایہ کے شاعر ہیں۔ اول الذکر نے کلام کے علاوہ "دیوان غالب کی شرح" اور "رسالہ مشاعرہ" شایع کیا۔ رشیدؔ صاحب نے اقبال کے مشہور شکوہ کا نہایت اعلیٰ جواب لکھا جو شایع بھی ہو چکا ہے۔ ان کی دوسری نظموں کا مجموعہ زیر طبع ہے۔ موخر الذکر کا کلام روز بروز مقبول ہو رہا ہے۔

میر حسن صاحب، اعظم خان صاحب اور غلام محمد خان صاحب تینوں سنجیدہ انشا پرداز ہیں۔ اول الذکر کی کتاب "ورڈسورتھ اور اس کی شاعری" مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ اور ڈرامہ "ہوش کے ناخن" جس کی تصنیف میں مخدوم محی الدین صاحب بھی برابر کے شریک ہیں) سینکڑوں اہل ذوق سے تحسین حاصل کر چکا ہے۔ انھوں نے اور بھی ڈرامے اور افسانے لکھے سوانح نگاری پر ایک کتاب اور انگریزی ادب کی تاریخ بھی مرتب کی ہے۔ اعظم خان صاحب نے انگریزی کتابوں کے ترجمے کیے جن میں سے کارلائل کا ترجمہ "سیرۃ الانبیاء" اور مہاتما گاندھی کا

ترجمہ "رہنمائے صحت" شایع ہو چکا ہے۔ حالی کی "حیاتِ جاوید" کا خلاصہ بھی کیا ہے اور پردہ کے متعلق ایک رسالہ زیرِ طبع ہے۔ غلام محمد خان صاحب نے "خواجہ میر درد کی حیات اور کلام" پر ایک کتاب اور دو ڈرامے "حسن سلوک" اور "کملا" لکھے۔ مجلۂ عثمانیہ کے مدیر ہیں اور متعدد تنقیدی مضامین شایع کر چکے ہیں۔

(۷)

میر سعادت علی رضوی صاحب کو بھی اردو کا خاص ذوق ہے۔ کلام اور مضامین شایع کرتے رہتے ہیں۔ مرثیوں پر بھی کام کر رہے ہیں۔ کتبۂ جامعہ عثمانیہ کی بزمِ اردو کے معتمد ہیں اور اس کا سالنامہ نہایت سلیقہ سے مرتب کر رہے ہیں۔ عزیز احمد صاحب کو ڈراموں اور افسانوں سے دلچسپی ہے۔ ان کے دو تین ڈرامے مثلاً "کالج کے دن" اور "مستقبل" کامیابی کے ساتھ اسٹیج کئے جا چکے ہیں ان کے کئی افسانے شایع ہوئے اور فرانسیسی افسانوں کے ترجموں کا ایک مجموعہ بھی چھپ چکا ہے۔ ناول بھی لکھے ہیں جن میں "مرمر اور خون" قابلِ ذکر ہے۔

نواب محمد ظہیر الدین خان صاحب کو بھی اردو ادب سے شغف ہے۔ بزمِ اردو کے پہلے صدر تھے۔ نواب شمس الامرا اور ان کے خاندان کی اردو کتابوں اور علمی خدمات پر نہایت اہم کام کیا ہے۔ روزنامچہ یورپ بھی دورانِ سفر میں لکھتے رہے ہیں جس کے چند اجزا رسائل میں شایع ہو چکے ہیں۔ اب وہ اس کو کتابی صورت میں بھی چھپوا رہے ہیں۔

سرفراز علی صاحب نیوشتی اور محسن بن شبیر صاحب کو بھی اردو کا ذوق ہے۔ اول الذکر کے متعدد ڈرامے اور افسانے شایع ہو چکے ہیں اور ایک ڈرامہ "زود پشیمان" پہنچنی میں کامیابی کے ساتھ پیش کیا جا چکا ہے۔ اُن کی ترجمہ کتاب "گولڈ اسمتھ کے خطوط" بھی شایع ہو چکی ہے۔ محسن صاحب کے مضامین شایع ہوتے رہتے ہیں اور ایک کتاب "یوسف ہندی قید فرنگ میں" مرزا غالب کے

واقعۂ قید کے متعلق چھپ چکی ہے۔

مخدوم محی الدین صاحب کو شاعری اور ڈرامہ سے خاص لگاؤ ہے۔ چنانچہ ان کا اور میر حسن صاحب کا لکھا ہوا ڈرامہ "ہوش کے ناخن" بہت کامیاب ثابت ہوا۔ ایک اور ڈرامہ بھی لکھ رہے ہیں۔ اُن کی ایک کتاب "ٹیگور اور اس کی شاعری" زیر طبع ہے۔ انھوں نے حال ہی میں شاعری شروع کی ہے لیکن بعض نظمیں نہایت اعلیٰ پایہ کی لکھی ہیں۔

۲

اجتماعی خدمات

انجمن ارباب اردو — مکتبۂ ابراہیمیہ — مجلس علمیہ

بزم اردو نظام کالج — سلسلۂ ادبیات اردو — ٹریبی اکیڈیمی

انجمن طیلسانین عثمانیہ — انجمن طلبائے قدیم سٹی کالج

انجمن ترقی ڈرامہ — بزم تمثیل

اس کتاب کے حصہ اول میں جن انجمنوں اور اداروں کا ذکر کیا گیا وہ یا تو سرکاری یا نیم سرکاری حیثیت رکھتی ہیں، یا ایسی ہیں جو عہد عثمانی سے پہلے کی پیداوار ہیں مگر اسی عہد میں زیادہ سر سبز ہوئیں، اور یا وہ ہیں جو اس عہد کے اوائل ہی میں ظہور پذیر ہوئیں۔ ان اجتماعی کوششوں کی کامگاریوں اور عہد عثمانی کی عام علمی، ادبی اور سماجی ذہنی ترقی کی وجہ سے عہد حاضر کے اہل ذوق بھی اپنی کوششوں کو اجتماعی حیثیت سے مستحکم اور شاد کام بنانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ گذشتہ دس بارہ سال کے عرصہ میں ایسے کئی خانگی علمی ادارے بھی قایم ہوئے جنہوں نے اردو کی قابل قدر خدمت کی اور کر رہے ہیں۔ ان میں انجمن ارباب اردو، مکتبۂ ابراہیمیہ، مجلس علمیہ، بزم اردو نظام کالج، سلسلۂ ادبیات اردو، لٹریری اکیڈیمی، انجمن طیلسانین عثمانیہ، انجمن ترقی ڈراما، انجمن طلبۂ قدیم سٹی کالج، بزم اداکاری اور بزم تمثیل وغیرہ خاص کر قابل ذکر ہیں۔

۱

انجمن ارباب اُردو غالباً ۱۳۴۰ھ میں قایم ہوئی۔ میر محب اللہ خان صاحب عالی رفاعی اس کے معتمد اور ابو محمد عمر ابن صلاح یافعی صاحب شریک معتمد تھے۔ اور اصل میں یہ دونوں ہی اس کے بانی اور روح رواں سمجھے جاتے ہیں۔ اول الذکر کے ایثار اور ذاتی توجہ کی وجہ سے یہ انجمن کئی سال تک قایم رہی۔ انہی کے یہاں قدیم وجدید اہل علم و فضل جمع ہوتے اور طعام و کلام سے مستفید ہوتے تھے۔ آخر الذکر کے جوش عمل اور علمی خلوص نے انجمن کے کارکنوں میں خاص زندگی پیدا کر دی تھی اور اگر یہ انجمن اب تک سرگرم کار رہتی تو کوئی تعجب نہیں کہ اس کے ذریعہ سے حیدرآباد کو بعض نہایت سرگرم اہل قلم حاصل ہوتے۔

اس انجمن نے اپنا ایک ترجمان رسالہ تحفہ نکالا جو کئی سال تک جاری رہا۔ اس میں ڈاکٹر میر سیادت علی خان صاحب، ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب، میر حسن الدین صاحب، عبدالمجید صدیقی صاحب،

عمر یافعی صاحب، آغا حیدر حسن صاحب، ظفر یاب خان صاحب اور سراج الدین طالب صاحب، وغیرہ اور مصنف کتاب کے بھی اکثر مضامین شایع ہوتے تھے۔ اس کا بیان حصہ اول میں رسائل کے سلسلہ میں گذر چکا ہے۔

اس انجمن نے ایک سلسلۂ تالیفات بھی قایم کیا جس میں عالی رفاعی صاحب کی "آداب شاعری" شایع ہو چکی ہے جو قدیم طرز کی شاعری کے لوازمات پر قلمبند کی گئی ہے۔

آخر میں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ اپنے قلیل عرصۂ زندگی میں اس انجمن اور اس کے رسالہ نے بعض ایسے نوجوان انشا پرداز ملک سے روشناس کیئے جو آج تک سرگرم کار ہیں اور اُردو کی خدمت کر رہے ہیں۔

(۲)

مکتبۂ ابراہیمیہ علم و ادب کی خدمت اور اہل ملک کے علمی و مالی فائدے کے لئے ملک ہی کے مشترکہ سرمایہ سے (بڑے پیمانے پر تجارتی کاروبار چلانے کی غرض سے "امداد باہمی کے اصول پر") قایم کیا گیا اس کے کاروبار تین شعبوں پر منقسم ہیں۔ تجارت، اشاعت کتب اور طباعت۔ مرزا مظفر بیگ صاحب اس کے بانی اور معتمد ہیں اور حقیقت میں یہ ادارہ انہی کی جانفشانی اور سعیٔ پیہم کا نتیجہ ہے۔ اس کی صدارت کی خدمت حیدر آباد کے مایۂ ناز فرزند اور اُردو کے بے نظیر مقرر نواب بہادر یار جنگ بہادر جاگیردار کے تفویض ہے اور نائب صدارت مصنف کتاب سے متعلق۔ اس کی مجلس انتظامی میں اُردو کے بعض قابل ذکر انشا پرداز اور خدمت گذار مثلاً عبدالقادر سروری صاحب، سید محمد صاحب، عمر یافعی صاحب احمد عبداللہ مسدوسی صاحب، اور غلام رسول صاحب وغیرہ جیسے ارکین شامل رہے ہیں۔

اس ادارہ نے متعدد اہم اُردو کتابیں شایع کی ہیں مثلاً سروری صاحب کی "دنیائے افسانہ"، "کردار اور افسانہ"، "قدیم افسانے"، "چینی اور جاپانی افسانے"، اور "انگریزی افسانے"۔ سید محمد صاحب کی "ارباب نثر اردو"، "گلشن گفتار"، اور "مثنویات میر"۔ عبدالحق صاحب کے مقدمات کی دو جلدیں۔

حیدر یار جنگ نظم طباطبائی مرحوم کا دیوان نصیر الدین ہاشمی صاحب کی دکن میں اردو۔ مختار احمد صاحب کی قاموس الاغلاط، اور جواہر کلیات نظیر جس کی ترتیب میں سید غلام مصطفےٰ ذہین مرحوم نے بھی مساوی حصہ لیا تھا۔ میر حسن الدین صاحب کی مبادی فلسفہ، اور شیخ عبد الحمید صاحب شوق کی مبادی نفسیات حکیم شمس اللہ قادری صاحب کی آثار الکرام، اور مصنف کتاب کی اُردو شہ پارے، تنقیدی مقالات اور محمود غزنوی کی بزم ادب وغیرہ۔

کتابوں کے علاوہ اس انجمن امداد باہمی مکتبۂ ابراہیمیہ محدود نے ایک ماہوار علمی و ادبی رسالہ بھی شایع کیا جو اب تک جاری ہے اور جس کی ادارت عبد القادر سروری صاحب کے سپرد ہے۔ اس کا تذکرہ رسائل کے سلسلہ میں مندرج ہے۔

اگرچہ مکتبۂ ابراہیمیہ زیادہ تر تجارتی ادارہ سمجھا جاتا ہے لیکن گذشتہ چند سال میں اُس نے اردو زبان کی بعض ایسی اعلیٰ درجہ کی کتابیں شایع کی ہیں اور نوجوان مصنفین و مولفین کے لئے ایسی قابل قدر سہولت کا باعث ہوا ہے کہ ان کی وجہ سے وہ تاریخ ادب اُردو میں ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔

(۳)

کلیہ جامعہ عثمانیہ کے علم دوست قدیم طلبہ نے آپس میں ذہنی اور علمی رابطہ پیدا کرنے، ملک میں عام طور پر علمی فضا کی ترقی، اور اردو زبان و ادب میں توسیع و اضافہ کی غرض سے چار پانچ سال قبل ایک مجلس علمیہ قایم کی جس کی مجلس عاملہ حسب ذیل اصحاب پر مشتمل ہے:۔ سید معین الدین قریشی صاحب ناظم۔ میر حسن الدین صاحب معتمد۔ ڈاکٹر سید حسین صاحب خازن، اور ارکین۔ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ڈاکٹر میر سیادت علی خان صاحب، میر اکبر علی خان صاحب، سید محمد احسن صاحب، محمد عبد المجید صدیقی صاحب شیو موہن لال صاحب، سید محمد صاحب، اکبر وفاقانی صاحب، عبد القادر سروری صاحب اور مصنف کتاب۔

اس مجلس نے اپنے نظام العمل کو ان امور پر مشتمل کیا :۔ طلبائے قدیم اور ارباب ملک سے تصنیف و تالیف اور ترجمہ کرانا، اور ان کو منجانب مجلس شایع کرنا ۔ علمی و ادبی مباحث پر لکچر منعقد کرنا اور مجلوں کی اجرائی اور کتب خانوں کا قیام ۔ افسوس ہے کہ یہ مجلس کچھ عرصہ سے خاموش ہوگئی ہے ۔ مگر اس واقعہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس کی وجہ سے اردو میں چند کتابیں بھی لکھی گئیں جن میں سے ایک مقدمہ مابعد الطبیعات (ہنری برگساں) مترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب مجلس علمیہ کے سلسلہ تالیفات میں شایع بھی ہوچکی ہے ۔ میر حسن الدین صاحب اور عبد المجید صدیقی صاحب کی کتابیں ابھی طبع نہ ہوسکیں

(۴)

اسی زمانہ میں نظام کالج میں وہاں کے بعض مستعد طلبہ اور خاصکر آغا حیدر حسن صاحب اور احمد عبد اللہ صاحب کی توجہ سے اردو کی بزم ادب قایم ہوی جس نے معمولی جلسوں کے علاوہ اردو کے کئی مشہور انشاپردازوں اور اہل ذوق کی تقریروں کا انتظام کیا ۔ طلبہ سے اردو ڈرامے لکھوائے اور ان کو کامیابی کے ساتھ اسٹیج کیا ۔ اس کے اراکین نے نظام کالج میگزین کو بھی پھر کچھ عرصہ کے لئے زندہ کیا تھا ۔

اس بزم نے اپنے اراکین میں تصنیف و تالیف کا ذوق بھی پیدا کیا ۔ چنانچہ آغا حیدر حسن صاحب کے زیر نگرانی کئی طلبہ کام میں مصروف ہیں اور دو تین کتابیں مثلاً دیوان اثر وغیرہ شایع بھی ہوی ہیں ۔ بعض اساتذۂ قدیم مثلاً ہوس اور تمیز وغیرہ کا کلام بھی مرتب کیا جا رہا ہے ۔ اس کے کارکنوں میں سید بادشاہ حسن صاحب اور محی الدین احمد صاحب ناکارہ وغیرہ خاصکر قابل ذکر ہیں ۔ کیونکہ انہی جیسے لایق طلبہ کی مستعدی سے بزم زندہ رہی ہے ۔

(۵)

تین سال قبل یعنے ۱۹۳۳ء میں مصنف کتاب کی تحریک پر چند اہل ذوق اصحاب نے نوجوان انشاپردازوں اور خاصکر طلبۂ جامعۂ عثمانیہ کی تصنیف و تالیف کی اشاعت کے لئے

سلسلۂ ادبیات اُردو قایم کیا جس کے لئے عبد القادر سروری صاحب، عبد المجید صدیقی صاحب، نصیر الدین ہاشمی صاحب، عبد القادر صدیقی صاحب اور مصنف کتاب ہذا نے سو سو روپے کا عطیہ دیا، اور اصل میں یہی اصحاب اس کے بانی اور کارفرما ہیں۔ اس سلسلہ کی امداد میں بعض اور حضرات نے بھی رقمی عطیے دیئے جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔

اس سلسلۂ تالیفات کا اہم مقصد یہ ہے کہ اُردو ادب کے خزانہ میں موجودہ ضروریات کے مطابق کتابوں کا اضافہ کیا جائے اور اُن نئے انشا پردازوں کی مدد کی جائے جو اس میدان میں گامزن ہونا چاہتے ہوں یا اپنی تصنیف و تالیف کی اشاعت سے قاصر ہوں۔ اس کی ادارت عمومی مصنف کتاب ہذا کے سپرد ہے۔ اس سلسلہ نے اتنے قلیل عرصہ میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے اور متعدد نوجوان اہل قلم سے مختلف موضوعوں پر کام کرانا شروع کردیا۔ چنانچہ اس وقت تین کتابیں "ٹیگور اور اس کی شاعری" مولفہ مخدوم محی الدین صاحب بی، اے "نصرتی کے قصائد" مرتبہ سید علی صاحب بی، اے اور "انگریزی ادب کی مختصر تاریخ" مولفہ میرزا ہد علی کامل صاحب بی، اے اور میر حسن صاحب بی، اے زیر طبع ہیں۔ اور دو کتابیں "ورڈسورتھ اور اس کی شاعری" مولفہ میر حسن صاحب اور "ہوش کے ناخن" مصنفہ میر حسن صاحب اور مخدوم محی الدین صاحب چھپ چکی ہیں۔

ان کے علاوہ کئی کتابیں مثلاً "خواجہ میر درد اور ان کا کلام" مولفہ غلام محمد خان صاحب بی، اے "سوانح نگاری" مصنفہ میر حسن صاحب بی، اے اور "دکن میں مرثیہ نگاری" مصنفہ میر سعادت علی رضوی صاحب بی، اے تیار ہو چکی ہیں۔ اور حسب ذیل کتابیں زیر ترتیب ہیں:- "فیض اور ان کا کلام" از میرزا سرفراز علی صاحب۔ "ماہ لقا بائی چندا" از اختر حسن صاحب اور "شیر محمد خان ایمان" از اشفاق حسین صاحب۔

(۶)

گذشتہ سال ۱۹۳۳ء میں انجمن اتحاد کلیہ جامعہ عثمانیہ نے ایک لٹریری اکیڈیمی قایم کی جس کے صدر محمد عبدالرحمن خان صاحب صدر کلیہ، اور معتمد ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب ہیں۔ اس اکیڈیمی نے فی الحال مشہور انگریزی کتاب "این اوٹ لائن آف ماڈرن کالج" کے مختلف حصوں کا مختلف اصحاب سے اردو ترجمہ کرانے کا انتظام کیا ہے۔ اس وقت تک بعض موضوعوں مثلاً فلسفہ اور طبیعیات سے متعلق حصص کے ترجمے تیار ہو چکے ہیں اور کتابی صورت میں زیر طبع ہیں۔ اکیڈیمی نے حسب ذیل اصحاب کو ترجمے سپرد کئے ہیں اور گویا یہی اس کے رکن رکین بھی ہیں :-

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب (فلسفہ اور سائنس) محمد علی خان صاحب (کائنات کی فطرت) قاری قطب الدین صاحب (خدا کا تخیل) ضیاء الدین انصاری صاحب (ہیئت) ڈاکٹر رضی الدین صاحب (ریاضی) میر حسن الدین صاحب (جنس) سید محمد اکبر وفا قانی صاحب (فنون لطیفہ) صلاح الدین صاحب (نفسیات) اور مولف کتاب (اصول تنقید ادب) وغیرہ۔

چونکہ ہر مقالہ ایک بہت بڑے ماہر فن انگریز مصنف کا نتیجۂ قلم ہے اس لئے یقین ہے کہ جب اس کتاب کے جملہ مقالوں کے ترجمے اردو زبان میں جدا جدا کتابوں کی حیثیت سے شایع ہو جائیں گے نوادر ادب میں قابل قدر اضافہ ہوگا اور علوم و فنون جدیدہ کی نسبت نہایت مستند، عصری، اور ثقہ معلومات منتقل ہو جائیں گی۔

(۷)

انجمن طیلسانین عثمانیہ بھی گذشتہ دو تین سال کے اندر قایم ہوی ہے۔ اور اس نے اس وقت تک اپنی دیگر سماجی مشغولیتوں کے علاوہ علمی خدمت کی طرف بھی شایان شان توجہ کی ہے اس کے صدر نواب تحسین نواز جنگ بہادر اور معتمد عبدالرحیم صاحب دونوں کا خلوص اور مستعدی اور بعض ارکین کی امداد اور سرگرمیاں اس کی غیر معمولی کامیابی کی ذمہ دار ہیں۔ یہ انجمن ہر سال

طیلسانین عثمانیہ کی ایک کانفرنس منعقد کرتی ہے۔ چنانچہ گذشتہ سال اس کی پہلی کانفرنس میں نہایت عمدہ اردو خطبے پڑھے گئے جو اُردو ادب میں اضافہ سمجھے جائیں گے۔ اس سال بھی کانفرنس کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس کے معتمد (حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے مشہور و معروف معتمد محمد مرتضیٰ مرحوم کے فرزند) محمد غوث صاحب ہیں جن کی دوڑ دھوپ اور پُرخلوص مستعدی نے گذشتہ کانفرنس طیلسانین کو توقع سے زیادہ کامیاب بنایا تھا۔

انجمن طیلسانین عثمانیہ کی پہلی سالانہ کانفرنس میں جو خطبے پڑھے گئے اُن میں عبدالرؤف صاحب کے خطبۂ استقبالیہ اور نواب فخر نواز جنگ کے خطبۂ صدارت کے علاوہ حسب ذیل قابل ذکر ہیں:۔ "تاریخ دکن اور اس کی اہمیت" از عبدالمجید صدیقی صاحب، "دکن کے خزائن فنون لطیفہ" از محمد اکبر وفاقانی صاحب، "معاشیات" از عبدالعزیز صاحب، اور "جامعہ عثمانیہ کے فرزندوں کی اردو خدمات"۔

اس انجمن کی جانب سے ایک سالنامہ بھی شایع ہو رہا ہے جس کی ادارت غلام دستگیر صاحب رشید کے سپرد ہے۔ اس میں متذکرۂ بالا خطبوں کے علاوہ طیلسانین عثمانیہ کے بعض اہم مضامین بھی شامل ہیں۔

انجمن طیلسانین نے فرزندان جامعہ کی تصنیف و تالیف اور ان کی اشاعت کی نسبت تحقیقات کے لئے ایک ذیلی مجلس بھی مقرر کی جو عبدالمجید صدیقی صاحب، سید محمد صاحب، غلام دستگیر رشید صاحب، مرزا شکور بیگ صاحب (معتمد) اور مولف کتاب (صدر) پر مشتمل ہے۔ اس نے کئی جلسوں کے غور و فکر کے بعد یہ طے کیا ہے کہ پہلے طیلسانین عثمانیہ کے جو مقالے جامعہ سے منظور ہو چکے ہیں، اور اس وقت مجلّس جامعہ کے دفتر میں بیکار پڑے ہیں ان کو ایک سہ ماہی رسالہ کے ذریعہ سے بالاقساط شایع کیا جائے کیونکہ ان میں سے اکثر مقالے نہایت اہم ہیں۔ ان کی اشاعت سے

نہ صرف طیلسانین عثمانیہ کے کارنامے منظر عام پر آسکیں گے بلکہ اُردو زبان میں مختلف علوم وفنون کے متعلق جدید ترین تحقیقی اور تنقیدی معلومات کا اضافہ ہوگا۔ توقع ہے کہ قریب میں یہ کام بھی شروع ہو جائے گا۔

(۸)

اسی سلسلہ میں انجمن طلبۂ قدیم سٹی کالج کا تذکرہ بھی ضروری ہے جو کئی سال تک ساکت رہنے کے بعد چند سرگرم نوجوانوں کی تحریک پر اسی سال پھر بیدار ہوئی ہے۔ اس انجمن کو اُردو ادب کی خدمت سے اگرچہ راست تعلق نہیں ہے لیکن اس کی جدید مجلس انتظامی اُردو کے بعض بہترین انشاپردازو اور مخصوص خدمت گزاروں مثلاً سید خورشید علی صاحب (صدر) عبدالقادر سروری صاحب، سید محمد صاحب، سید معین الدین قریشی صاحب، اور مرزا محی الدین بیگ صاحب پر مشتمل ہے۔ اس انجمن نے اس سال سے ایک سالنامہ شایع کرنے کا انتظام کیا ہے جس کی ادارت مؤلف کتاب ہٰذا کے تفویض کی گئی ہے اور کوشش کی جارہی ہے کہ یہ پہلا سالنامہ سٹی کالج کے قدیم طلبہ کی علمی و ادبی کوششوں کا دلچسپ ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ اردو ادب میں اضافہ کا بھی باعث ہو سکے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اگر ہر سال یہی سرگرمی اور خلوص عمل جاری رہے۔

سٹی کالج کے متعدد قدیم طلبہ نے اپنے شعر و سخن، علم و فضل، اور انشاپردازی کی وجہ سے عہد حاضر کے اردو خدمت گزاروں میں نمایاں حیثیت حاصل کر لی ہے۔ اور اگر وہ توجہ کریں تو اپنے سالناموں کے ذریعہ سے بھی اردو زبان کی نمایاں خدمت کر سکتے ہیں۔

(۹)

گذشتہ تین چار سال کے عرصہ میں حیدرآباد میں اُردو ڈراما سے بھی خاص دلچسپی پیدا ہو چلی ہے اس سے قبل بھی یہاں تعلیم یافتہ اصحاب نے اردو ڈرامہ کی ترویج اور اسٹیج پر پیش کرنے کی طرف قابل قدر توجہ کی تھی، اور اسی سلسلہ میں منشی امیر حمزہ مرحوم کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے جنہوں نے

کئی ڈرامے لکھے اور ان کو کامیابی کے ساتھ پیش کیا۔ مگر اس وقت حیدرآباد میں اس صنف ادب کا سنجیدہ مذاق رکھنے والے اصحاب بہت کم تھے۔ اس لئے امیر حمزہ مرحوم اور ان کے حلقہ کی کوششیں دیرپا ثابت نہیں ہوئیں۔ اب جامعہ عثمانیہ کی وجہ سے ملک میں اعلیٰ تعلیم عام ہوگئی ہے اور اردو میں اس صنف ادب کے غیر معمولی فقدان کا احساس بھی پیدا ہو چلا ہے اس لئے اس کی طرف خاطر خواہ توجہ کی جا رہی ہے۔

سب سے پہلے صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ محمد عبدالرحمٰن خان صاحب نے کلیہ کے اساتذہ اور طلبہ کو اردو زبان کی اس ناقابل فروگذاشت کمی کی طرف متوجہ کیا چنانچہ ان کی اس تحریک اور عبدالقادر سروری صاحب ڈاکٹر سیادت علی خان صاحب اور مصنف کتاب کی دلچسپی کی وجہ سے کلیہ کے متعدد طلبہ اس کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور گذشتہ تین ۳ سال کے اندر انہوں نے دس سے زیادہ ڈرامے لکھے جن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں:۔

۱۔ کالج کے دن، ۲۔ مستقبل، ۳۔ خیام، (مصنفہ عزیز احمد صاحب) ۴۔ ہوش کے ناخن، (مصنفہ میر حسن اور مخدوم محی الدین صاحبان) ۵۔ پروین (مصنفہ میر حسن صاحب) ۶۔ حسن سلوک، ۷۔ کملا (مصنفہ غلام محمد خان صاحب) ۸۔ انصاف (مصنفہ محمد یحییٰ صدیقی صاحب) ۹۔ طبیب حاذق (مصنفہ مرزا ظفر الحسن صاحب) ۱۰۔ زود پشیماں (مصنفہ سرفراز علی ہوش صاحب) وغیرہ

ڈرامے لکھنے کے ساتھ ساتھ ان طلبہ نے انجمن اتحاد اور کلیہ کے اقامت خانوں کی طرف سے اپنے ڈراموں کے علاوہ دوسروں کے لکھے ہوئے ڈرامے مثلاً فاوسٹ (مترجمہ ڈاکٹر عابد حسین صاحب) ہمزاد (مصنفہ اشتیاق حسین قریشی صاحب) وغیرہ کو کامیابی کے ساتھ پیش بھی کیا۔

کلیہ جامعہ عثمانیہ کے علاوہ نظام کالج، ورنگل کالج، اور دوسرے مدارس کے طلبہ نے بھی گذشتہ چند سال میں بہتر سے بہتر ڈرامے پیش کیئے

نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ کے اس روز افزوں رجحان اور انفرادی توجہ کی وجہ سے اجتماعی کوششوں کا بھی آغاز ہوا چنانچہ اس وقت تک ڈراموں سے متعلق کئی انجمنیں قایم ہوگئیں جن میں انجمن ترقی ڈراما، بزم اداکاری

اور بزم تمثیل قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر کے معتمد مرزا شکور بیگ صاحب ہیں۔ فضل الرحمن صاحب عطاء الرحمن صاحب
مرزا عصمت اللہ بیگ صاحب اور مرزا محی الدین بیگ صاحب جیسے اصحاب ذوق کا رفرما۔ اور مخدوم محی الدین صاحب
جمیل احمد صاحب، شرافت اللہ بیگ صاحب، ظفر الحسن صاحب، عبد الرب صاحب، شہریار صاحب،
مرزا شکور بیگ صاحب جیسے بہترین اداکار اس کو حاصل ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ انجمن دوسری انجمنوں کے
مقابلہ میں نمایاں کام کر رہی ہے۔ کئی ڈرامے مثلاً نئی روشنی، ظاہر باطن، غلط در غلط وغیرہ پیش کر چکی ہے۔
اور ایک ڈرامہ "حشرات الارض" چھپ گیا ہے جس کو پیش کرنے کے لئے تیار کر رہی ہے۔

حیدرآباد ڈرامٹک اسوسی ایشن نواب سر امین جنگ کی سرپرستی میں کام کر رہی ہے، اور اس وقت
تک دو تین اردو ڈرامے مثلاً "سعید زبول" اور "پردہ غفلت" بھی پیش کر چکی ہے۔ اب اس نے اپنا نام بزم تمثیل
رکھ لیا ہے۔ اس کے معتمد سید مصلح الدین صاحب ہیں۔ حال حال میں عزیز احمد صاحب کا اردو ڈرامہ "مستقبل"
پیش کیا تھا جس کی ادا آموزی سید محمد اکبر وفاقانی صاحب کے تفویض تھی۔ وفاقانی صاحب خود اداکار ہیں کئی
ڈراموں میں کامیاب اداکار ثابت ہوئے ہیں۔ اور صنعت ڈرامہ سے خاص شغف رکھتے ہیں۔

۴

حیدرآباد میں اُردو زبان کی اصلاح و ترقی

(اور)

بولنے والوں میں اضافہ

اُردو کے مختلف مرکز۔ حیدرآبادی اردو اور شمالی اُردو کا میل جول

حیدرآباد کی جدید اُردو۔ علمی اور فنی ضرورتوں کی تکمیل۔

حیدرآباد میں اُردو کی عام مقبولیت۔ جامعہ عثمانیہ میں

ہندو طلبہ کی کثرت اور کامیابیاں۔ اُردو تعلیم و تعلم اور

جامعہ عثمانیہ کے قیام کے لئے ہندوؤں کی کوششیں

گذشتہ بیس پچیس سال کے عرصہ میں اعلیٰحضرت سُلطان العلوم کی ذاتی توجہ اور سرپرستی کی وجہ سے حیدرآباد میں جو غیر معمولی علمی و ادبی چہل پہل پیدا ہو گئی اور اُردو کی ترقی کے لئے انفرادی اور اجتماعی کوششیں ظہور پذیر ہوئیں ان سب کا تذکرہ اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے۔ یہ ایسے اُمور تھے جن کے مادی ثبوت اس عہد کی تین ہزار سے زیادہ مطبوعہ کتابوں اور رسالوں کی صورتوں میں مل سکتے ہیں۔ مگر اب اس دور کی ایک ایسی خصوصیت کا ذکر کیا جائے گا جس کو عام طور پر کم محسوس کیا جاسکتا ہے اور وہ حیدرآباد میں اردو زبان کے حیرت ناک ارتقا سے متعلق ہے۔

زبان بھی جانداروں کی طرح بڑھتی گھٹتی اور تغیر و تبدل حاصل کرتی رہتی ہے، اور اُس کا یہ عروج و انحطاط اور تبدیلیاں بولنے والوں کے حالات و خیالات کی تبدیلیوں اور ترقی و زوال پر منحصر ہوتی ہیں۔

اردو زبان کی قسمت بھی اس کے بولنے والوں کی قسمتوں کے ساتھ بدلتی رہی ہے۔ جب تک بیجاپور گولکنڈہ اور احمدآباد تہذیب و تمدن اور حکومت و اقتدار کے گہوارے رہے، وہاں کی اُردو بھی فصیح، شستہ، اور مستند سمجھی گئی، بادشاہوں، شاعروں اور انشا پردازوں کی زبان و قلم سے پھولوں اور موتیوں کی طرح جھڑتی اور برستی رہی اور آج تک مُطلّا و مذہب اور مصوّر مخطوطوں میں انمول جواہر کی طرح محفوظ ہے اور ثابت کرتی ہے کہ کبھی کسی زمانہ میں ایسی قابل قدر تھی۔ جہاں ان عادل شاہیوں، قطب شاہیوں اور مظفّر شاہیوں کے اقبال نے پلٹا کھایا ان کے دارالحکومتوں کی زبان بھی قعر مذلت میں گر گئی، اور رفتہ رفتہ اپنے بولنے والوں کی طرح یا تو دوسرے مقامات کی طرف نکل گئی اور یا اگر وہیں رہی تو ایک ایسی عورت کی طرح گم نام اور بے رونق رہی جس کے خاوند کو رہزنوں نے قتل کر دیا اور جس کی تمام دولت لوٹ لی گئی ہو۔

گجرات و دکن کی ان قدیم سلطنتوں کی تباہی کے بعد دہلی اور لکھنؤ اردو کے مرکز بن گئے۔ بیجاپور اور گولکنڈہ کی لکھی اور لکھائی ہوئی انمول اردو کتابیں مال غنیمت بن کر ان کے درباروں اور بازاروں میں فروخت ہونے لگیں اور ان ہزیمت خوردہ سلطنتوں کے اکثر شعرا اور مصنفین بھی اپنے اپنے مقامات کی تباہ حالیوں قحطوں اور پریشانیوں سے گھبرا کر شمالی ہند کی طرف نکل پڑے۔ اُن کے میل جول اور متذکرہ اردو کتابوں کے مطالعہ نے دہلی میں فارسی زبان کی شمع کہنہ کو ہمیشہ کے لیے گُل کردیا۔

اس وقت اہل دہلی چونکہ اہل حکومت و اقتدار تھے اس لئے وہ اردو کا مرکز اور اردو لکھنے اور بولنے والوں کا ماویٰ و ملجا بن گئی، اور وہاں کی اردو اسی طرح ممتاز اور بارونق ہوگئی جیسے کسی خاوند کی چہیتی بیوی اپنی بخت برگشتہ سوکنوں کے مقابلہ میں سرخرو رہتی ہے لیکن بعد میں جب نادر شاہی اور احمد شاہی حملوں اور مرہٹوں کی تباہ کاریوں نے اہل دہلی کے امن و اطمینان میں خلل ڈالا وہاں کی زبان زبان کا مسلسل ارتقا بھی متزلزل ہوگیا، اور چونکہ بعد میں کچھ عرصہ کے لئے دہلی کی حکومت و سطوت نے ایک آخری سنبھالا لیا تھا اس لئے اردو بھی سنبھل گئی۔ مگر متذکرہ حادثوں کی وجہ سے جوں ہی بعض اہل دہلی نے لکھنؤ کا رُخ کیا اُردو بھی سایہ کی طرح ان کے ساتھ لکھنؤ پہنچ گئی۔ اور وہاں اس کے بولنے والے امن و امان اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے تھے اس لئے اس نے بھی اپنے اندر اسی قسم کی خصوصیتیں شامل کرلیں مگر زمانہ ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتا، انگریزوں کی آمد آمد کے ساتھ شاہان مغل اور شاہان اودھ دونوں کا اقتدار کم ہوتا گیا اور آخر کار دونوں سلطنتیں انگریزوں کے قبضہ میں چلی گئیں۔ اب دہلی اور لکھنؤ کی اردو زبان اور اہل قلم کا وہی حال ہوا جو ڈیڑھ دو سو سال قبل بیجاپور اور گولکنڈہ کی زبان اور اہل قلم کا ہوا تھا۔ وہاں کے اردو کے سرپرست مٹ گئے اور اردو کو استعمال کرنے اور اس کی خدمت کرنے والے اقصائے ہندوستان میں منتشر ہوگئے۔

اس زمانہ میں رامپور اور حیدرآباد دو ریاستیں ایسی تھیں جہاں اردو بولنے والوں کا سیاسی اقتدار

باقی تھا اس لئے ان بخت برگشتہ مقامات کے اکثر اہل قلم نے وہیں پناہ لی ۔ رام پور میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ اردو زبان کی خاطر خواہ آؤ بھگت کرتا اور نہ اُس کے عہد ماضی کو اردو سے اتنا گہرا تعلق تھا جتنا حیدرآباد کو حاصل ہے ۔

(۲)

حیدرآباد میں قیام سلطنت آصفیہ کے بعد ہی سے اُردو کا عالم ہو گیا گذر چکا تھا ۔ اپنے بولنے والوں کے ساتھ وہ بھی اثر و اقتدار اور علم و فضل سے آراستہ ہوتی گئی ۔ نواب شمس الامرائے ثانی اور ان کے حلقہ نے اس زبان کی تاریخ میں سب سے پہلی دفعہ اس کو ایسے ایسے علوم و فنون سے بھی مالا مال کیا جن سے وہ کہیں آشنا نہیں ہوئی تھی ۔ عہد آصف جاہ سادس میں اس کو دفتری حیثیت بھی حاصل ہو گئی اور اب عہد عثمانی میں جہاں اہل حیدرآباد زندگی کے مختلف شعبوں میں دن دونی ترقی کر رہے ہیں اُردو زبان بھی اس میدان ارتقا میں ان کے دوش بدوش ہے اور طوفانی رفتار کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہے ۔

اردو زبان کی قسمت کی ان نیرنگیوں کا ذکر ختم کرنے اور حیدرآباد میں اس کے عہد حاضر کے غیر معمولی عروج کا بیان شروع کرنے سے پہلے سرزمین پنجاب سے اُس کے قدیم و جدید تعلق کا تذکرہ بھی ضروری ہے یہ حقیقت اب روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی ہے کہ اُردو کو سب سے پہلے پنجاب ہی میں ایک بولی کی حیثیت حاصل ہوئی ۔ وہ وہیں کے باشندوں اور ابتدائی مسلمان حکمرانوں اور نو واردوں کے میل جول سے ظہور پذیر ہوئی ۔ اور دہلی اور دکن میں آنے سے قبل دو سو سال تک وہاں بولی اور لکھی جاتی رہی یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح دکن ڈیڑھ دو سو سال کے بعد پھر اپنے یوسف گم گشتہ کی نگہداشت کی طرف متوجہ ہے اہل پنجاب کو بھی اپنے چار سو سال قبل کے کھوئے ہوئے نونہال کو پھر اپنے یہاں پروان چڑھتے دیکھنے کا موقع مل رہا ہے ۔ اور اس کی وجہ محض یہی ہے کہ وہاں کے اردو بولنے والے سیاسی حیثیت سے بیدار اور صاحب اقتدار ہیں ۔ اور اگرچہ حکومت ان کے ہاتھ میں نہیں ہے لیکن زندہ دلی، سرگرمی اور کشمکش حیات میں

وہ آزاد قوموں کے قریب قریب ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ زبان اور اس کے بولنے والوں کے حالات و خیالات میں چولی دامن کا سا تعلق ہوتا ہے۔

اس موقع پر اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ پنجاب اور دکن کی اُردو خدمات کے آپس میں بہت فرق ہے اول الذکر فسانوں ڈراموں اور ادب لطیف نیز صحافت سے اُردو کی دلچسپی اور ہمہ گیری میں اضافہ کر رہا ہے اور موخر الذکر علوم و فنون اور معلومات جدیدہ سے اردو کے خزانہ کو مالا مال کر رہا ہے جس کی تکمیل کے لئے اس کو اُردو کے لفظی خزانہ میں بھی وسعت دینے کی ضرورت پڑی۔

(۳)

حیدر آباد نے گذشتہ پچیس سال کے عرصہ میں نہ صرف اپنی تحریری زبان کو معیاری بنا لیا، اس میں جدید لفظوں اور اصطلاحوں کا گراں بہا اضافہ کیا، بلکہ اپنی گفتگو اور روزمرہ کی زبان سے مقامی خصوصیتوں اور قدیم رنگ کو مناسب حد تک دور کر دیا، اور نہ صرف لفظی خزانہ، بلکہ لب و لہجہ میں بھی کافی فرق پیدا کر لیا۔

حیدر آباد کی قدیم اردو زبان جو عہد قطب شاہیہ میں بادشاہوں اور علما و فضلا کی چہیتی بولی تھی جس کے بیش بہا ادبی خزانے آئے دن دستیاب ہو رہے ہیں، اور جو اس وقت تک حیدر آباد کے دیہات میں باقی ہے، اپنے قدیم اثر و اقتدار کی دیرینہ یادگار ہے لیکن لسانیات سے دلچسپی رکھنے والے جانتے ہیں کہ کسی زبان کی خوبی یہ نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ ایک حال پر باقی رہے۔ اس میں اسی طرح سے تغیر و تبدل ہونا چاہیئے جس طرح انسانوں کے رسم و رواج، لباس اور خیالات میں ہوتا ہے۔ اور چونکہ ان امور میں گذشتہ ڈیڑہ صدی حیدر آباد کے دیہات پر آہستہ آہستہ اثر پذیر تھی اس لئے اُن کی زبان بھی رفتہ رفتہ متاثر ہو رہی تھی۔ مگر عہد عثمانی نے نہ صرف ربع صدی کے عرصہ میں اپنی سلطنت کی ہیئت و تنظیم میں اتنے خوش آئند تغیر و تبدل اور اُردو بولنے والوں کے حالات و خیالات میں اس قدر نمایاں فرق پیدا کر دیا کہ اُردو زبان کو بھی ان کا ساتھ دینا پڑا۔ اور جو اردو قطب شاہیوں کے بعد سے ڈیڑہ صدی تک

قریب قریب ایک حال پر باقی تھی رُبع صدی کے اندر ایسی منقلب ہوگئی کہ اگر پچاس سال قبل کا کوئی حیدرآبادی شاعر یا مصنف زندہ ہو جائے تو وہ اپنے جانشینوں کی اور اپنی زبان میں کئی گونہ فرق محسوس کرے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں تک شعر و شاعری کا تعلق ہے مہاراجہ چندو لال کے زمانہ ہی سے اہل دکن نے اپنے محاورہ کو ترک کر کے شمالی ہند کے نو وارد شعراشاہ حفیظ، شاہ نصیر، آفاق اور شہرت وغیرہ کی زبان اسی طرح اختیار کر لی تھی جس طرح شعرائے دہلی شاہ حاتم، آبرو، یکرنگ وغیرہ نے فارسی گوئی ترک کر کے دکن کے شعرا۔ ولی۔ فراقی، آزاد، وغیرہ (جو دہلی گئے تھے) کی زبان اختیار کر لی تھی اور اُس میں سخن گوئی کو باعث عز و افتخار سمجھا تھا۔ مگر جس طرح محاورۂ دکن کی تقلید دہلی میں دیرپا ثابت نہیں ہوئی اور مرزا مظہر جان جاناں کی تحریک نے اس کو بالکل متروک کر دیا۔ دکنی شاعر بھی شمالی شاعروں کی کامیاب تقلید نہ کر سکے اور اگر کی بھی تو صرف شاعری کی حد تک۔ اُن کی بول چال شمال کی اُردو سے بہت کم متاثر ہوئی، اور ہو بھی نہ سکتی تھی۔ یہ امر فطرت کے خلاف ہے نہ اُس وقت اہل شمال دکنی زبان کی تقلید میں کامیاب ہو سکتے تھے۔ اور نہ اب اہل دکن شمالی محاورہ کی تقلید میں کامیاب ہو سکتے ہیں جب تک ان دونوں جگہوں کی آب و ہوا مقامی اثرات اور حالات و خیالات جدا جدا ہیں ان کی زبان بھی مختلف رہے گی۔ اور چونکہ ان امور میں بالکل یکسانیت ناممکن ہے اس لئے زبان بھی کبھی ایک نہیں ہو سکتی۔ یہ اور بات ہے کہ کثرت مطالعہ کی وجہ سے تحریری زبان قریب قریب تر ہو جائے۔

(۴)

جدا جدا مقامات کے باشندوں کی بول چال کے اعضائے مخارج بھی جدا جدا ہوتے ہیں۔ خود انگریزی زبان کی لسانی تشکیل پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس حقیقت حال کے باوجود کہ وہ دنیا میں اکثر جگہوں پر بولی جاتی ہے، اور اس کی کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ ظاہر بین نگاہوں کو دھوکا دیتا ہے کہ یہ زبان اتنی وسعت کے باوجود بالکل ایک ہے، خود انگلستان کے مختلف مقامات کے باشندوں کی زبان

اور لب و لہجہ ایک نہیں ہے۔ جنوبی اور شمالی انگلستان کی زبانوں اور لب و لہجہ میں قریب قریب اتنا ہی فرق ہے جتنا اس وقت جنوبی ہند کی زبان یعنے حیدرآباد کی اُردو اور شمالی اُردو میں ہے۔ انگریزی زبان میں اسکاٹ لینڈ، اور ویلس سے بھی بڑے بڑے شاعر یا انشا پرداز پیدا ہوئے اور ان سبھوں کا کلام آج انگریزی ادب کا لازمی عنصر ہے۔ مگر خود انگریز لسانیات داں سمجھتے ہیں کہ ان تینوں مقامات کی انگریزی کے آپس میں، اور پھر اُن کے اور جنوبی انگلستان کی انگریزی میں کتنا فرق ہے۔ چنانچہ ان اختلافات کے صوتی اور لسانی پہلوؤں پر متعدد اعلیٰ پایہ کی تحقیقی کتابیں بھی شایع ہو چکی ہیں۔

ایسی صورت میں یہ خیال کرنا کہ دکن نے مہاراجہ چندو لال کے زمانہ سے یا عہد عثمانی میں بالکل شمال کی اردو زبان اختیار کر لی ہے اصول السنہ کے خلاف اور فطرت و حقیقت سے بعید ہوگا۔ یہ اس وقت ایک حد تک ممکن تھا جب کہ اُردو دکن میں پہلے سے موجود نہ ہوتی یا اہل دکن کسی اور زبان کے اہل زبان ہوتے اور انہیں اپنی زبان ترک کر کے ایک نئی زبان (اُردو) کو سیکھنا پڑتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عرصہ میں دکنی اردو کی قدیم کتابوں کی تباہی اور اُن کے کرم خوردہ مخطوطوں میں سربستہ ہوتے، اور اس کے برخلاف شمالی اُردو کے عام رواج اور مطبوعہ کتابوں کی کثرت کی وجہ سے، اہل دکن کے مطالعہ میں شمالی اردو ہی کی کتابیں رہیں، اور انہوں نے ان کی طرز میں لکھنا شروع کیا۔ مگر اس تقلید اور کوشش کے باوجود ان کے اپنے مقامی محاورے، روزمرے، اصطلاحیں اور ضرب المثلیں اُن کی زبان سے شاید ہی محو ہو سکیں۔ انہوں نے اپنی زبان کی گرامر کو چھوڑ کر شمالی اُردو کی گرامر اختیار کر لی اور اس میں وہ کامیاب بھی ہو گئے مگر وہ اپنے اس لفظی خزانہ اور لب و لہجہ کو شاید ہی چھوڑ سکتے ہیں جو انہیں ان کے والدین، ہمسایوں اور ماحول سے ورثہ میں ملتا ہے۔ عہد حاضر کا حیدرآبادی انشا پرداز سو سال قبل کے حیدرآبادی انشا پرداز کی طرح اگرچہ "میں روٹیاں کھایا" اور "لڑکیاں لڈو کھائے" نہیں لکھے گا (گویہ فطرت سے زیادہ قریب ہے کہ فعل فاعل کے لحاظ سے لایا جائے) بلکہ کسی

شمالی انشا پرداز کی طرح "میں نے روٹیاں کھائیں" اور "لڑکیوں نے لڈو کھایا" لکھے گا (جو فطرت کے خلاف ہے کہ "میں" فاعل واحد مذکر کے ساتھ "کھائیں" فعل جمع مونث لایا جائے۔ اور "لڑکیوں" فاعل جمع مونث کے ساتھ "کھایا" فعل جمع واحد مذکر لایا جائے) مگر وہ آج بھی اور شاید ہمیشہ اپنے مقامی محاوروں، ضرب المثلوں، اسماء اور اصطلاحات کو غیر ارادی طور پر استعمال کرے گا اور محسوس بھی نہیں کرسکے گا کہ میں یہ الفاظ محاورۂ شمال کے لحاظ سے غلط استعمال کر رہا ہوں۔

غرض حیدرآباد میں گذشتہ پچیس سال کے عرصہ میں جو اردو زبان تیار ہوئی وہ شمال کی جدید معیاری اُردو اور دکن کی قدیم معیاری اُردو سے مرکب ہے۔ جہاں تک گرامر کا تعلق ہے وہ اپنی مقامی اور قدیم معیاری گرامر کو چھوڑ کر جدید معیاری اردو کے مطابق ہوگئی ہے لیکن اپنے لفظی خزانہ اور لب و لہجہ میں سے وہ اپنے مقامی اثرات کو اس وقت تک دور نہیں کرسکتی جب تک کہ خود یہ مقام نہ چھوڑ دے۔ اس صورت حال کے لحاظ سے دکن کے اہل زبان اور اہل قلم شمال کے انشا پردازوں کے مقابلہ میں زیادہ خوش قسمت ہیں کیونکہ انہیں شمال کے لفظی خزانوں کے علاوہ خود اپنے قدیم ترین دفینوں سے مستفید ہونے کا موقع حاصل ہے۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ خیال کے ادا کرنے کے لئے جتنے زیادہ الفاظ اور اسالیب ہوں گے اتنا ہی خوبی سے وہ خیال ادا ہو سکے گا۔ اور وہی زبان زیادہ مالدار سمجھی جاتی ہے جس کے یہاں خیالات کے ادا کرنے کے لئے مختلف سانچے موجود ہوں۔ خیالات جسم ہیں اور الفاظ ان کے لباس۔ اور ظاہر ہے کہ لباس کی کثرت اور گوناگونی جسم کی آسائش اور آرائش میں اضافہ کرتی ہے۔

(۵)

یہاں تک عہد عثمانی میں دکن کی اردو زبان کی اصلاح و ارتقا کا تذکرہ تھا اب ہم اس دور کی اُس خصوصیت کا ذکر کریں گے جس کی وجہ سے دکن کے اہل اُردو ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں، اور نہ صرف اپنی زبان بلکہ تمام ہندوستان کی اُردو کو جدید ترین ضروریات سے مالا مال کرتے ہیں۔ یہ خصوصیت متفرق اور

ضروری نیز جدید ترین علوم و فنون کی وضع اصطلاحات سے متعلق ہے۔

جامعہ عثمانیہ کے قیام کے بعد جب اس کی نصابی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے مختلف علوم و فنون مثلاً طبیعیات، کیمیا، ریاضیات، نباتیات، حیاتیات، حیوانیات، طب، انجینیری، فلسفہ اور ندریسیات وغیرہ کو یورپ کی زبانوں سے اردو میں منتقل کرنا پڑا تو سب سے پہلی دفعہ ارباب اردو کو اپنی زبان کی حیرت خیز تہی مایگی کا علم ہوا۔ اس کی تکمیل کے لئے سرکار نے مجالس وضع اصطلاحات کا انعقاد کیا جن میں ہندوستان و دکن وغیرہ کے ماہرین علوم و فنون اور مختلف زبانوں کے محققین کو شریک کیا گیا۔ چنانچہ یہ مجلسیں آج تک سرگرم کار ہیں اور ایسی ہزاروں اردو اصطلاحیں بنا چکی ہیں جنہیں پندرہ سال سے کتابوں اور مضامین میں استعمال کیا جا رہا ہے اور نئی پود اپنی تحریروں اور تقریروں میں انہیں اسی طرح بے تکلف استعمال کر رہی ہے جس طرح وہ دوسرے روزمرہ کے اور عام الفاظ استعمال کرتی ہے۔ جیسے جیسے یہاں ان جدید علوم و فنون کا مطالعہ بڑھتا جائے گا، اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی ان جدید علوم کو اردو میں کوئی پڑھنا چاہے گا تو حیدرآباد کی وضع کی ہوئی اصطلاحیں عام ہوتی جائیں گی کیونکہ یہیں کی کتابیں لازماً زیر مطالعہ رہیں گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حیدرآباد کی بنائی ہوئی اصطلاحوں اور علمی زبان سے تمام اردو دنیا مانوس ہو جائے گی۔ اور پھر اردو کو بے مایہ زبان کہنے کی کوئی بھی جرأت نہ کر سکے گا۔

اردو زبان کو کبھی اور کہیں اتنی وسعت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اردو کی جو سرپرستی عہد ماضی کے بادشاہوں نے کی وہ زیادہ تر ادبیات اور شعر و شاعری سے متعلق تھی۔ ان کے زمانہ میں موجودہ ضروریات اور وسعت کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر اعلیٰ حضرت سلطان العلوم اس نازک موقعہ پر اردو کی دستگیری نہ کرتے تو انگریزی کے مقابلہ میں نہ صرف اردو بلکہ ہندوستان کی کوئی دوسری دیسی زبان بھی جدید علوم و فنون سے بہرہ ور ہونے کی ہمت نہ کرتی۔ ہندوستانی مجبور ہو جاتے کہ انگریزی ہی کو اپنی علمی زبان قرار دیں اور ان کی اپنی مقامی زبانیں رفتہ رفتہ محض ایسی بولیاں بن کر رہ جاتیں جو

خانگی بول چال اور زیادہ سے زیادہ ادنیٰ درجہ کی شعروشاعری کے لئے مستعمل ہوتیں ۔

۶

اس وقت تک اردو کے ارتقا اور اصلاح کی نسبت بحث کی گئی ہے۔ اب ہم اس کی عام مقبولیت اور اس کے استعمال کرنے والوں کے روز بروز اضافہ کی طرف توجہ کریں گے۔ یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ شمالی ہند اور خاصکر صوبجات متحدہ میں اُردو کی ترقی تو کجا اس کی بقا ہی کا مسئلہ زیر بحث ہوتا جارہا ہے۔ خوش قسمتی سے سلطنت آصفیہ میں ابتدا ہی سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے حالات وخیالات میں ہم آہنگی موجود ہے۔ اور صدیوں کے میل ملاپ کے باعث دونوں کی معاشرت میں اس درجہ یکسانیت پیدا ہوگئی ہے کہ بعض دفعہ تو مشکل امتیاز کیا جاسکتا ہے۔ اس ہم آہنگی اور یکسانیت میں عہد حضرت سلطان العلوم کی علمی ترقیوں نے اور بھی اضافہ کیا ہے۔ یہاں کی مختلف زبانیں (یعنے مرہٹی تلنگی کنڑی) استعمال کرنے والے ہندو جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو اُردو ہی اُن کی مشترک زبان ہوتی ہے اور یہ سب تحتانیہ مدارس تک اپنی اپنی مادری زبانوں میں تعلیم پانے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے اردو ہی کو اختیار کرتے اور اس میں مسلمان طلبہ کے دوش بدوش کامیابیاں اور اعزاز حاصل کرتے ہیں چنانچہ جامعہ عثمانیہ کے امتحانات میں کئی سال سے اکثر ہندو طلبہ ہی اول آرہے ہیں۔

اردو کی اس عام مقبولیت اور حیدرآباد کے ہندوؤں اور مسلمانوں کا متفقہ طور پر اس کو اپنی خانگی اور علمی زبان قرار دینے کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ حیدرآباد میں جہاں قدیم زمانہ سے بڑے بڑے شاعر اور انشاپرداز اُردو ہی میں لکھتے آئے ہیں، اور متعدد ہندو امرا اُردو کے اعلیٰ ذوق سے بہرہ ور رہے اور اس کی خاطر خواہ سرپرستی کی، موجودہ زمانہ میں بھی جب کہ تمام ہندوستان میں مذہبی اختلافات اور رسم الخط کی پیچیدگیاں بڑھتی جارہی ہیں حیدرآباد میں ہندو اردو کی تحصیل اور اس کے ذریعہ سے علمی وعملی کمال حاصل کرنے میں مسلمانوں کے برابر رہنا تو کجا ان پر سبقت لیجارہے ہیں

مثال کے طور پر اگر ہم جامعہ عثمانیہ کے امتحانات کے نتیجوں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ گذشتہ دس بارہ سال کے اندر کامیاب ہندو طلبہ کا اوسط کتنا بڑھ گیا ہے چنانچہ اس اردو جامعہ کے بی، اے کے پہلے تین امتحانوں میں یعنے ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۵ء تک کل ۲۰۸ طالب علم کامیاب ہوئے تھے جن میں سے ۴۸ ہندو تھے اور ۱۶۰ مسلمان یعنے اُس وقت ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کی تعداد کے ایک ثلث سے بھی کم تھی۔ اس کے بعد صرف چھ سال میں اتنا فرق ہوگیا کہ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۳ء یعنے گذشتہ امتحان تک تین سال میں کل ۱۹۱ طالب علم بی، اے کے امتحان میں کامیاب رہے۔ ان میں ۶۵ ہندو تھے اور ۱۲۶ مسلمان۔ گویا ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کی تعداد کے نصف سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ اگر یہی رفتار ترقی جاری رہے تو کوئی تعجب نہیں کہ چند سال میں مسلمانوں سے زیادہ ہندو ہی اس جامعہ سے کامیاب ہوکر نکلیں گے۔

یہ تو امتحان بی، اے کے نتائج کا ذکر تھا۔ امتحان ال ال بی میں تو اس وقت بھی ہندو ہی مسلمانوں سے زیادہ شریک رہتے اور کامیاب ہوتے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ تین امتحانوں (یعنے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۳ء تک) کل ۵۱ طالب علموں نے ال ال بی کی ڈگری حاصل کی جن میں ۳۱ ہندو تھے اور صرف ۲۰ مسلمان۔

ان نتائج کے علم کے بعد کیا کوئی اس حقیقت حال سے انکار کرسکتا ہے کہ حیدر آباد کے ہندو اُردو زبان کو ترقی اور وسعت دینے میں مسلمانوں کے دوش بدوش نہیں ہیں۔ اور کیا عہد عثمانی میں اردو زبان کو غیر معمولی مقبولیت اور وسعت نہیں حاصل ہورہی ہے۔

(۷)

اس فصل کو ختم کرنے سے قبل ایک اور امر کی طرف اشارہ کردینا ضروری ہے اور وہ یہ ہے جامعہ عثمانیہ کے قیام کے لئے جہاں ملک کے مسلمان اہل علم و فضل نے موقع بہ موقع آواز بلند کی یہاں کے ہندوؤں نے بھی کوشش کی اور اپنے ہم وطنوں کا پوری طرح ساتھ دیا۔ چنانچہ اس کے قیام کے ابتدائی محرکوں میں ہندوؤں میں بابو گیا پرشاد صاحب

پروفیسر نارائن گنیش وَلنکر، پنڈت کیشوراؤ صاحب اور پنڈت وامن راجچندر نائک صاحب کے نام خاصکر قابل ذکر ہیں۔

بابو گیا پرشاد صاحب نے حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے پہلے اجلاس ہی میں اُردو زبان میں تصنیف و تالیف کرنے کے لئے سرکاری امداد کی تحریک کے سلسلہ میں حسب ذیل تقریر کی تھی :۔

"اُردو زبان" ہندوستان خصوصاً ممالک محروسہ سرکارعالی کے لئے ایک اہم زبان ہے۔ ممالک محروسہ سرکارعالی میں تلنگی مرہٹی اور کنڑی مقامی زبانیں ہیں، اور یہ تینوں زبانیں کسی طرح اُردو کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہیں اردو ممالک محروسہ سرکارعالی کی سرکاری زبان ہے، اور اُس کی دیگر خصوصیات میں سے اُس کا وہ جلد لکھا جاسکنا بہ مقابلہ دوسری زبانوں کے ایک ایسی خصوصیت ہے جو حالات زمانہ کے اعتبار سے نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ میرے دوست مولوی عبدالحق صاحب نے اپنی تحریک کو صرف بارہ ہزار روپے تک محدود کیا ہے لیکن اردو زبان کی ترقی کے لئے جو کام کرنا ہے اس کے لئے یہ رقم ہرگز کافی نہیں ہوسکتی۔ اور چونکہ وسعت زبان اردو سے بہ مقابلہ دیگر حصص ہند کے زیادہ فائدہ سرکارعالی اور باشندگان ممالک محروسہ سرکارعالی کو پہنچے گا اس لئے میری رائے میں سرکارعالی سے مؤدبانہ یہ درخواست کی جانی چاہیئے کہ بارہ ہزار روپیہ سالانہ اور اس سے زیادہ جس قدر رقم کی ضرورت ہو امداد کا دیا جانا منظور فرمائے"۔ (روئداد کانفرنس صفحہ ۲۷)

اس تقریر کے ایک سال بعد حیدرآباد کی دوسری سالانہ ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ، اورنگ آباد میں مسٹر وامن رامچندر نائک نے یونیورسٹی کے قیام کے لئے حسب ذیل الفاظ میں تحریک کی: ـ

اب یہ امر غور طلب ہے کہ ہمارا تعلق بمبئی یونیورسٹی سے کیا جائے، یا ہمارے لئے ایک علیحدہ یونیورسٹی ہمارے ملک میں قایم کی جائے ـ میری رائے میں علیحدہ نظام یونیورسٹی یہاں قایم ہونا زیادہ مفید ہے ـ جب اس کو آپ مان لیتے ہیں تو ایک سوال سرمایہ کا پیش ہوگا ـ جس ملک سے کہ سالانہ (ـــ) روپیہ سے زیادہ رقم اغراض تعلیم کے لئے بیرون ملک دی جاتی ہے، آیا وہاں ابنا، وطن کی تعلیم کی غرض سے یونیورسٹی قایم کرنے کے لئے سرمایہ میسر نہیں آئے گا ـ حضرات میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے اعلیٰ حضرت حضور پرنور کو اپنی پیاری رعایا، کی تعلیم جس قدر محبوب دل ہے اور کوئی شئے دنیا میں پیاری نہیں ہے ہماری سرکار کو...... تعلیمی اغراض کے لئے روپیہ کی کچھ کمی نہیں ہے اور نہ اس کی کچھ پرواہ ہے ـ اب یہ دیکھیں کہ ملک میں قیام یونیورسٹی کے لئے کیا کیا سامان مہیا ہے ـ ہمارے یہاں ایک آرٹس کالج معہ عمدہ سے عمدہ لائبریری اور لبراٹیری کے تیار ہے ـ ایک میڈیکل کالج جس کا کورس ایڈنبرا یونیورسٹی کے مساوی ہے، قایم ہے ـ لا کلاس اور انجینیرنگ اسکول بھی موجود ہے ـ ان چیزوں کا تنظیماً اصلاح کرنا کافی ہے ـ لہٰذا یہ

ہمارے ملک کے نوجوانوں کی طرف سے جن پر ترقی ملک کا دار و مدار ہے
اعلیٰ عہدہ داران تعلیمات کی خدمت میں اپیل پیش کرتا ہوں کہ وہ ہم کو
حتی الامکان مدراس یونیورسٹی سے نجات بخشیں، اور ہمارے لئے ایک
یونیورسٹی قایم کردیں جس سے تعلیم میں ہر طرح کی ترقی ہوتی رہے۔"

(روئداد کانفرنس صفحہ ۱۰۷)

اس پر زور اور مخلص تحریک کی تائید کرتے ہوئے اسی جلسہ میں پروفیسر نارائن گنیش ولنکر نے کہا کہ :-

"بجائے اس طور سے انتظام کرنے کے اس لحاظ سے کہ ایک دن
ہماری یونیورسٹی ضرور ہوگی فی الحال موجودہ حالت علیٰ حالہ رکھ کر اس امر میں
ہم اپنی پوری کوشش کیوں مصروف نہ کریں کہ یونیورسٹی بننے کا مواد جلد سے
جلد مہیا کیا جائے۔" (روئداد کانفرنس صفحہ ۱۱۱)

یہ طویل اقتباسات ثابت کرتے ہیں کہ حیدرآباد کے ہندو بھی جامعہ عثمانیہ کے قیام کے لئے کس خلوص اور توجہ کا اظہار کرتے رہے اور جب اس کے قیام کی کارروائی شروع ہوی اور اس کے لئے تیسری ایجوکیشنل کانفرنس میں دارالترجمہ کے قیام کا مسئلہ درپیش ہوا تو حیدرآباد کے تمام ہندوؤں کی طرف سے ایک اُردو جامعہ کی تائید اور اظہار خوشنودی کے لئے مسٹر وامن رامچندر نائک نے جو تقریر کی اس کا اقتباس پیش کرکے ہم اس فصل کو ختم کرتے ہیں :-

میں اس لئے کھڑا ہوا ہوں کہ ہندوؤں کی طرف سے بھی اس کی تائید
کروں عثمانیہ یونیورسٹی کے متعلق جس کے لئے سررشتۂ ترجمہ قایم ہوا ہے
چند مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ اُس سے ہندو الگ ہیں۔ مگر میں صاف صاف

بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ ہندو ہرگز عثمانیہ یونیورسٹی کے
خلاف نہیں ہیں، اور ان کو اس سے کچھ وجہ اختلاف نہیں ہے۔ اگر علوم و فنون
اُردو میں پڑھائے جائیں گے تو اس کا فائدہ سب کو عام ہوگا۔"

(روئداد کانفرنس صفحہ ۵۶)

پنڈت رام چندر نایک صاحب کا یہ خیال ایک پیشین گوئی ثابت ہوا چنانچہ اب ہندو
مسلمانوں کے برابر برابر اس اردو جامعہ سے مستفید ہو رہے ہیں اور ہمارے پیش کردہ نتائج امتحانات
کے مطالعہ کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ مستقبل میں وہ مسلمانوں سے کئی گونہ زیادہ اس سے بہرہ مند
نہیں ہوں گے؟

حیدرآباد کے باہر اردو زبان کا دوسری ہندوستانی زبانوں کے مقابلہ

(میں)

استحکام و تقویت اور اس کا ہمہ گیر اثر

اقصائے ہندوستان کے شاعروں، انشا پردازوں اور اداروں
کی امداد، عام اردو نصابی کتب کی فراہمی، نستعلیق ٹائپ کی
تیاری، اردو ادبیات کے خزانہ میں غیر معمولی اور بیش بہا
اضافہ، قدیم اردو کارناموں کی معلومات و اشاعت کی وجہ
سے اردو کی قدامت کا احساس، اردو کے لفظی خزانہ میں
ہزاروں علمی و فنی الفاظ کا اضافہ، اردو کی ترقی کا ہمہ گیر اثر

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کے زیر سایہ گذشتہ چوبیس سال کے عرصہ میں حیدرآباد جس علمی و ادبی چہل پہل کا مرکز بنا ہوا ہے، اور اردو زبان کی جیسی اہم اور لازوال خدمات میں منہمک ہے ان کا ایک اجمالی تذکرہ گذشتہ فصلوں میں گذر چکا ہے۔ اب ہم اس حقیقت حال کی طرف اشارہ کریں گے کہ حیدرآباد سے باہر اعلیٰ حضرت کی اس بے مثال سرپرستی اور فیاض توجہ کا کتنا پائدار اثر ہوا ہے! اور اردو اپنی ہمسایہ زبانوں کے مقابلہ میں کتنی سرخرو اور مستحکم ہو گئی ہے۔

اس کتاب کی تمہید میں ایسی تنخواہوں اور انعامات کا تذکرہ مندرج ہے جو حیدرآباد میں اور حیدرآباد سے باہر کے شاعروں، انشا پردازوں، اور اداروں کو اردو زبان کی خدمت کے صلہ میں جاری کئے گئے ہیں۔ اگرچہ افسوس ہے کہ اس قسم کی معلومات حاصل کرنے میں ہمیں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی لیکن جو کچھ نامکمل مواد پیش کیا گیا ہے اسی کے مطالعہ سے واضح ہو جائے گا کہ اعلیٰ حضرت نے کس دریا دلی کے ساتھ اُردو کی عام سرپرستی کی ہے۔

شمالی ہندوستان اور خاصکر صوبجات متحدہ کے وہ باشندے جو گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے اُردو کی خدمت کرتے آئے ہیں عہد حاضر میں سیاسی پیچیدگیوں اور کشمکش حیات میں بُری طرح پھنسے ہوئے ہیں اور ان کی قسمتوں کے ساتھ اُردو کی قسمت بھی معرض بحث میں ہے۔ وہاں دوسرے سیاسی مناقشوں کے ساتھ ساتھ اردو ہندی کا جھگڑا اس شدت سے پیدا ہو گیا ہے کہ اردو کی گذشتہ رفتار ترقی جاری نہ رہ سکی۔ وہاں پہلے ہندو اور مسلمان دونوں اُردو کے دلدادہ اور خدمتگذار تھے۔ اب ہندو رفتہ رفتہ ناگری رسم الخط کی طرف مائل ہوتے جا رہے ہیں۔ نہ صرف یہی بلکہ ان کا فرقہ پرست طبقہ کوشاں ہے کہ سرکار دربار سے اُردو کو بالکل خارج کر دیا جائے۔ اور چونکہ اس کی کوششیں زیادہ منظم اور مستقل ہوتی ہیں

اس لئے اُردو کی ہمہ گیری پر اثر پڑ رہا ہے اور یہ اندیشہ قوی ہوتا جا رہا ہے کہ آئندہ شمالی ہند میں اردو کی ترقی یا بقا کی ذمہ داری صرف مسلمانوں ہی کے سر رہ جائے گی ۔

ایسے نازک زمانہ میں اعلیٰحضرت سلطان العلوم نے وہاں کے خدمت گذاران اُردو کی جو بھی امداد کی ہے دنیائے اردو میں ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائے گی ۔ اور تاریخ ادب اردو میں ہمیشہ یادگار رہے گی ۔ شبلی نعمانی مرحوم، عبدالحلیم شرر مرحوم، مولوی سید سلیمان ندوی، مولوی عبدالماجد دریابادی، خواجہ حسن نظامی صاحب، ظفر علی خان صاحب اور ایسے متعدد اصحاب کو اعلیٰحضرت نے وظائف اور منصبوں سے سرفراز کیا ! اور یہ وہ ہستیاں ہیں جو اُردو کی ترقی میں ہمہ تن مشغول رہی ہیں ۔ اشخاص کے علاوہ متعدد اداروں مثلاً دار المصنفین اعظم گڈھ، جامعہ اسلامیہ علی گڈھ، جامعہ ملیہ دہلی وغیرہ کی بھی کافی امدادیں جاری کیں یہی وہ مقامات ہیں جہاں شمالی ہند کے اردو شاعر اور انشا پردازوں کی تربیت ہوتی ہے ۔

اس قسم کی ماہواروں اور منصبوں کے علاوہ شمالی ہند کے شاعروں اور اہل تصنیف و تالیف کو ان کے کلام اور کتابوں پر انعام و اکرام سے بھی سرفراز کیا جاتا ہے ۔ اور ان کی اکثر کتابیں اور رسالے اتنی تعداد میں خریدے جاتے ہیں کہ وہ وہاں فارغ البالی کے ساتھ اُردو کی اشاعت اور فروغ میں کوشاں رہ سکیں شمالی ہند کے جتنے رسالے اور کتابیں حیدرآباد میں سرکاری یا خانگی طور پر فروخت ہوتی ہیں کسی اور جگہ نہیں ہوتیں اس سے مصنفوں اور خدمت گذاران اردو کی جیسی کچھ ہمت افزائی ہوتی ہے اُس سے وہی بخوبی واقف ہیں ۔

(۲)

سلطان العلوم کی فیاض سرپرستیوں نے ایک اور طرح سے بھی حیدرآباد کے باہر اُردو کی بنیادوں کو مستحکم کر دیا اور وہ اعلیٰ تعلیم کے علاوہ مدارس تحتانیہ و فوقانیہ کے لئے اُردو کی نصابی کتابوں کی تیاری ہے ۔ حیدرآباد میں ابتدائی تعلیم کے لئے ہزاروں روپیہ خرچ کر کے متفرق موضوعوں پر اُردو کتابیں تیار کرائی گئی ہیں

جن کے لئے ہر مضمون کے متعدد ماہرین نے مہینوں کے متفقہ غور و فکر کے بعد مسودے تیار کیئے۔

ان بیش بہا نصابی کتب سے تمام ہندوستان کے وہ اشخاص اور درسگاہیں مستفید ہو سکتی ہیں جو اُردو میں تعلیم دیتی ہوں۔ جو لوگ اپنے بچوں کے دماغوں پر ابتدا ہی سے انگریزی کا بار گراں ڈالنا نہ چاہتے ہوں ان کے لئے یہ کتابیں بیش بہا نعمت ہیں۔ اس طریقہ تعلیم کے فوائد آج روز روشن کی طرح واضح ہو گئے ہیں اور اب ہندوستان میں اکثر جگہ یہی کوشش کی جا رہی ہے کہ کم از کم ابتدائی تعلیم مادری زبان ہی میں دی جانی چاہیئے مگر اس کے لئے دوسری زبانوں کو وہ سہولت حاصل نہیں ہے جو عہد عثمانی کی برکات سے اردو کو حاصل ہو گئی ہیں

آج تمام اُردو دنیا کو حیدر آباد کی لکھی لکھائی کتابیں تیار حالت میں مل سکتی ہیں، اور ایک دن آنے والا ہے کہ ہندوستان کے اکثر حصص میں حیدر آباد ہی کا نصاب اُردو پڑھایا جائے گا جیسا کہ اب بھی ریاست بھوپال میں پڑھایا جاتا ہے۔ وہاں کے مدارس میں زیادہ تر حیدر آباد ہی کی نصابی کتابیں شامل ہیں۔ اور میٹرک کے طلبہ کو جامعہ عثمانیہ ہی کے نصاب کے مطابق تیار کیا جاتا ہے چنانچہ ہر سال بھوپال کے متعدد طلبہ میٹرک کامیاب کر کے اعلیٰ امتحانات کے لئے جامعہ عثمانیہ میں شریک ہوتے ہیں۔

(۳)

اردو زبان کا سب سے بڑا نقص یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کا رسم الخط طباعت و اشاعت کی راہ ترقی میں سنگ گراں کا کام دیتا ہے، اور ہندوستان کی دوسری زبانوں اور خاصکر اس کی حریف ہندی کے مقابلہ میں اس کو سرنگوں رکھنے کا باعث ہوتا ہے۔ لیتھو کی طباعت خطاطی کی خوبیوں، اور اختصار کے باعث ایک گونہ مفید ہے لیکن زمانہ کی دوسری ضرورتوں اور خاصکر سرعت کار میں ٹائپ کی طباعت سے بہت پیچھے ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خط نسخ میں اُردو کے ٹائپ کے حروف موجود ہیں اور عرصہ سے بعض بہی خواہان اُردو کوشاں ہیں کہ ان کو رائج کیا جائے، مگر کچھ تو اُن کی گوناگونی، اور زیادہ تر خط نسخ کی وجہ سے

ان کو خاطر خواہ مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ ایسی صورت میں ضرورت تھی کہ ایک نستعلیق ٹائپ ایجاد کیا جاتا اور اردو کا یہ اہم نقص دور کر کے اس کو انگریزی اور ناگری حروف کے ہم پلہ ہونے کا موقعہ دیا جاتا چنانچہ اس کامیابی کا سہرا بھی عہدِ عثمانی ہی کے سر ہے۔

حیدر آباد میں کئی سال سے اس کے لئے کوششیں جاری تھیں متعدد دفعہ اقصائے ہندوستان سے ماہرین کو مشورہ کے لئے طلب کیا گیا اور لاکھوں روپے خرچ کر کے اُردو کی اس زبردست کمی کو پورا کیا گیا۔ اگرچہ اس ٹائپ میں بھی بعض خامیاں باقی ہیں لیکن کوئی کام ایسا نہیں ہو سکتا جس میں ابتداً کوئی نہ کوئی خامی موجود نہ ہو۔ یہ امر البتہ قابل افسوس ہے کہ یہ ٹائپ ابھی جیسا چاہئیے منظرِ عام پر نہیں آسکا۔ اور چند خاص کتابوں اور جرائد سرکاری کے سوا عام طور پر استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ استعمال ہونے کے موقعے دئے جائیں اور سرکارِ عالی تجربہ کے طور پر حیدر آباد اور بیرونِ حیدر آباد کے کم از کم دو چار اخبار و رسائل کو استعمال کے لئے عنایت کرے۔

جب یہ ٹائپ عام ہو جائے گا تو اُردو رسالوں اور کتابوں کی دیدہ زیبی اور طباعت و اشاعت وغیرہ میں بہت سہولت پیدا ہو جائے گی۔ اور اُردو کی رفتار ترقی میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے گی چونکہ اُردو کی اس اہم خدمت سے اہل حیدر آباد بھی پوری طرح سے بہرہ ور نہیں ہو رہے ہیں، حیدر آباد سے باہر کی عام اُردو دنیا تو شاید اس سے واقف بھی نہ ہوگی۔ مگر وہ وقت دور نہیں ہے کہ یہ خوشنما ٹائپ جو کئی سال کی محنتوں اور صرفِ کثیر سے تیار ہوا ہے اُردو زبان کی ترقی اور نشو و نما میں طوفانی رفتار پیدا کر دے گا۔

(۴)

اردو کے مخالفین ایک یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ اس کا ذخیرۂ ادب نہایت محدود ہے، اور اس میں شعر و شاعری کے مجموعوں کے سوائے کام کی کتابیں بہت کم ملتی ہیں۔ یہ اعتراض ایک حد تک حق بجانب تھا مگر عہد سلطان العلوم کی برکات نے اس کو بھی بادِ ہوا ثابت کر دکھایا۔ گذشتہ چوبیس سال کے

عرصہ میں صرف حیدرآباد میں چار ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل شایع ہوئے اور ان میں زیادہ تعداد سنجیدہ علمی اور کام کی کتابوں کی ہے عہد عثمانی [illegible] عہد ہائے ماضی کے نقائص کو دور کرکے ان کی بروقت تلافی کردی۔

اعلیٰ حضرت کی فیاضی [illegible] صرف انجمن ترقی اردو اور دارالترجمہ ہی کے ذریعہ سے پانچ چھ سو ایسی کتابیں اردو میں مہیا کردیں [illegible] پایہ کتب کی تیاری کے لئے ہندستان کی دوسری زبانوں کو شاید صدیاں درکار ہوں گی خود اردو میں بھی اتنے قلیل عرصہ میں یہ کارنامے مہیا نہ ہوسکتے اگر اعلیٰ حضرت کی توجہات شاہانہ اس کی طرف [illegible] نہ ہوتیں۔

ان دو متذکرہ اداروں کے علاوہ حیدرآباد کے دوسرے متعدد اور خانگی اداروں اور انفرادی مساعی نے بھی سینکڑوں اہم کتابوں کا اردو میں اضافہ کیا۔ ان سب کی مضمون وار تفصیلی فہرست تیار کی جارہی ہے جو اسی کتاب کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر شامل رہے گی اس کا مطالعہ واضح کردے گا کہ دکن، ہندستان، ایشیا، اسلام، یورپ [illegible] یونان، اور انگلستان وغیرہ کی سینکڑوں اعلیٰ درجہ کی تاریخیں، جغرافیے، اور سفرنامے حیدرآباد میں شایع ہوئے ہیں۔ معاشیات، عمرانیات، فلسفہ، نفسیات، سیاسیات، اور قانون وغیرہ سے متعلق [illegible] کی تعداد میں کتابیں تصنیف یا ترجمہ کی گئیں اور شایع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں۔

یہ تو خیر وہ علوم تھے جن کی نسبت [illegible] اردو یا ہندستان کی دوسری زبانوں میں کچھ نہ کچھ معلومات حاصل تھیں لیکن عہد عثمانی [illegible] نسبت مختلف اور جدید ترین علوم و فنون و حکمیات کی کتابوں کو اردو میں مہیا کردینے [illegible] طبیعیات، کیمیا، ریاضیات، ہیئت، نباتیات، حیوانیات، طب، اور انجینیری کے [illegible] سے متعلق سینکڑوں معیاری کتابوں کا اردو میں دس پندرہ سال کے اندر مہیا ہوجانا [illegible] معجزہ سے کم نہیں ہے یہ ایک ایسا معجزہ ہے جو

ہندستان کی کسی اور زبان کی قسمت میں شاید ہی لکھا گیا ہو۔

جدید یورپ کے جدید ترین علوم وفنون کا اردو میں منتقل ہو جانا اردو دنیا کی ایسی خوش قسمتی ہے کہ دوسری ہندستانی زبانیں اس پر جتنا رشک کریں بجا ہے۔ اور اہل اردو اس سے جتنا مستفید ہوں کم ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ فی الحال حیدرآباد سے باہر ان کتابوں سے کما حقہٗ استفادہ نہیں کیا جا رہا ہے لیکن جب اہل ہندستان کی قسمت کا کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو جائے گا اور موجودہ عبوری دور کی ہنگامہ خیزیاں اور افراتفری ختم ہو جائے گی تو اہل ملک کو اپنی اپنی مادری زبانوں کی طرف سنجیدگی کے ساتھ متوجہ ہونا پڑے گا۔ اس وقت اردو دنیا حیدرآباد کے ان کارناموں کو نعمت غیر مترقبہ سمجھے گی، اور انہی کی بنیادوں پر اپنی زبان کی آزادی اور عروج کی عمارت تیار کر سکے گی۔

(۵)

اردو کی نسبت چند سال قبل تک اپنوں اور بیگانوں سبھی کا یہ خیال تھا کہ وہ ایک نئی زبان ہے اور سو ڈیڑھ سو سال ہی سے (یعنے عہد شاہجہاں میں) ظہور پذیر ہوی ہے۔ غیروں کا تو ذکر ہی کیا ہے خود اردو کے بڑے بڑے شاعر اور انشاپرداز مثلاً میر تقی میر، میر حسن، غلام ہمدانی مصحفی، قیام الدین قائم، میر امن، محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، اور شبلی نعمانی وغیرہ نے اپنی اپنی کتابوں اور تحریروں میں ولی اورنگ آبادی ہی کو اردو کا باوا آدم قرار دیا ہے۔ اور اردو کے آغاز وارتقا کے متعلق سب یہی کہتے آئے ہیں کہ وہ دہلی میں شاہجہاں کے زمانہ میں برج بھاشا زبان سے نکلی۔

یہ عجیب وغریب بات ہے کہ یہ چاروں خیال عہد عثمانی ہی کی برکات کے زیر سایہ غلط ثابت ہوئے اس مبارک دور میں جب اردو کا ذوق حیدرآباد میں عام ہو گیا تو گذشتہ دس پندرہ سال سے اردو زبان و ادب کے متعلق تحقیقات بھی شروع ہوئیں جنہوں نے یہ ثابت کر دکھایا کہ:-

۱۔ ولی سے دو ڈھائی سو سال پیشتر ہی سے اردو زبان میں ادبی کارناموں کا آغاز ہو چکا تھا۔

اور بیسیوں ایسے اعلیٰ پایہ کے شاعر پیدا ہو چکے تھے جن میں کم از کم پانچ سات وؔلی سے بہت بلند مرتبہ ہیں اور اردو کی خوش قسمتی ہے کہ ان کے کلام کے مجموعوں میں سے پچاسوں اس وقت کہیں نہ کہیں موجود بھی ہیں ۔

۲ ۔ اُردو دہلی میں نہیں بنی بلکہ مسلمانوں کے دہلی فتح کرنے سے دو سو سال پیشتر سے پنجاب میں بن رہی تھی چنانچہ وہاں اس میں شعر و شاعری بھی کی گئی ۔ اور وہیں سے وہ دہلی میں پہنچی اور اس پر دہلی کی زبان یعنے برج بھاشا کا پورا اثر نہیں ہونے پایا تھا کہ دکن اور گجرات کی طرف نکل کھڑی ہوی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ دکن کی اردو اور پنجابی کی بہت سی لسانی خصوصیات مشترک ہیں ۔

۳ ۔ اُردو شاہجہاں کے زمانہ میں نہیں بلکہ اس سے کئی سو سال پیشتر بن چکی تھی ، اور شاہجہاں کی پیدائش سے قبل ہی اُس میں بیسیوں شاعر پیدا ہو چکے اور سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی تھیں ۔

۴ ۔ اُردو برج بھاشا سے نہیں نکلی بلکہ اُس زبان سے نکلی جو مسلمانوں کی آمد کے وقت پنجاب اور دوآبہ میں بولی جاتی تھی ، اور جس سے خود برج بھاشا بھی مشتق ہے ۔ یعنے اُردو برج بھاشا کی بیٹی نہیں ، بہن ہے ۔ اگر وہ برج بھاشا سے نکلتی تو اُس میں پنجابی اور بانگڑو زبان کی متعدد اہم لسانی خصوصیات پائی نہ جاتیں ۔ اس امر کی تفصیلی بحثیں اور ثبوت ہندستانی لسانیات اور ہندستانی صوتیات (انگریزی) میں مندرج ہیں ۔

اُردو زبان و ادب کے آغاز و ارتقا سے متعلق یہ اور اس قسم کی متعدد اہم معلومات محض عہد عثمانی کی فیاض سرپرستیوں کا نتیجہ ہیں ۔ اس عہد میں نہ صرف اُردو کے پرانے انشا پردازوں اور صاحبان تحقیق مثلاً مولوی عبدالحق صاحب اور حکیم شمس اللہ قادری صاحب وغیرہ کی ہمت افزائی کی گئی اور علمی کام جاری رکھنے کے لئے سہولتیں فراہم کی گئیں بلکہ نوجوان اہل ذوق کے لئے بھی تحقیق و تفتیش کرنے کے موقعے پیدا کئے گئے اور انہیں حیدر آباد سے باہر بھی تعلیمی وظیفے دیکر روانہ کیا گیا ۔ چنانچہ راقم الحروف نے چار سال تک سرکاری وظیفہ پر انگلستان اور فرانس میں قیام کر کے السنہ کی لسانی و صوتی تحقیق و تفتیش کے

طریقے معلوم کیئے اور ان کی روشنی میں اُردو کے آغاز و ارتقا پر [illegible] نصیر الدین ہاشمی صاحب نے
یورپ کے اکثر کتب خانوں کا دورہ کر کے وہاں کے اُردو [illegible]
نتیجہ یہ ہوا کہ اُردو زبان اور ادب کے متعلق بہت سی [illegible] اور شائع ہوئیں [illegible]
تمام اُردو دنیا کو معلوم ہوا کہ یورپ میں اُردو کے کیسے [illegible]
کی کتنی ضرورت ہے۔ چنانچہ ساتھ ہی دوسرے اصحاب [illegible] جامعہ الہ آباد کے
عبد الستار صاحب اور جامعہ عثمانیہ کے سید محی الدین [illegible] تک ڈگری حاصل کر کے
ہندستان واپس ہو چکے ہیں۔

غرض اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی علم پروری [illegible] سے گذشتہ چند سال میں اُردو
زبان و ادب پر جو تحقیقات کی گئیں (اور جو مولفین [illegible] تحقیقی و تنقیدی مضامین اور
اُردو کی قدیم کتابوں کے مقدمات، حکیم شمس اللہ قادری [illegible] قدیم، نصیر الدین ہاشمی صاحب
کی "دکن میں اُردو" اور "یورپ میں دکنی مخطوطات" اور [illegible] ہندستانی صوتیات، ہندستانی لسانیات
اور اُردو شہ پارے وغیرہ کی شکل میں ظہور پذیر ہوئیں) اُن [illegible] کی وجہ سے جہاں اُردو زبان و ادب
کے متعلق بہت سی غلط معلومات کا ازالہ ہوا، اُردو [illegible] کا بھی احساس پیدا ہوا۔

اس اہم احساس و معلومات نے اُردو [illegible] ایک طرح کی خود اعتمادی
پیدا کر دی۔ وہ اپنی زبان کے عہدِ ماضی پر بھی فخر [illegible] اور کم سنی پر اعتراض
کرنے والوں کو دنداں شکن جواب دینے کے قابل [illegible]

آج کوئی شخص اس خیال کے اظہار کی [illegible] ہندستان کی کسی موجودہ زبان سے
کم عمر ہے۔ ہندستان کی جملہ زبانوں پر اُردو کو اس وجہ سے فضیلت حاصل ہے کہ اُس میں ڈھائی تین سو
سال قبل ہی سیکڑوں اعلیٰ پایہ کی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اور ان کا سلسلہ اب تک بغیر کسی وقفہ کے

تمام ہے۔ اس قدر قدیم زمانہ میں اتنی کتابیں شاید ہی کسی اور ہندستانی زبان میں لکھی گئی ہوں۔ اس کی بعض ہی یہ خصوصیت ہے کہ ہمارے ماضی میں اردو ہندو اور مسلمانوں دونوں کی متفقہ زبان تھی اس کے علاوہ عظیم الشان اور آزاد سلاطین نے اس کی سرکاری طور پر قدر افزائی کی ہے، اور شاعروں سے تمام تر علم و فن تصنیف اعلیٰ پیمانے کی کتابیں اردو میں لکھوائی گئیں بادشاہوں نے بھی اس میں شعر و شاعری کی اور ان کے کلام کے مجموعے یا دیوان آج تک موجود ہیں۔ ہندستان تو کجا دنیا کے کسی اور حصہ کی کسی زبان کو بھی یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ اس کو اتنے بادشاہوں نے شعر و شاعری اور تصنیف و تالیف کے لئے استعمال کیا ہو۔

اردو زبان کی قدامت اور فضیلت کا یہ احساس اردو کے خیر خواہوں کی ہمت افزائی کا باعث ہے۔ اردو بولنے والوں کی نئی پود اسی احساس کے ساتھ اردو کی خدمت کے لئے کمربستہ ہو رہی ہے۔ اور اگر عہد عثمانی کا فیض عام اسی طرح جاری رہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کی رفتار ترقی میں حارج نہیں ہو سکتی۔

اس وقت تک اردو ادب کی عمر اور قدامت کے متعلق عہد عثمانی کی برکات کا اظہار کیا گیا ہے اب ہم آخر میں اس مبارک عہد کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کریں گے جو اردو کے لسانی پہلوؤں سے متعلق ہے اور جس کی نسبت لوگوں کے ذہنوں میں بعض شبہات کا اظہار کیا گیا ہے۔

گذشتہ چوبیس سال کے عرصے میں جب کہ مختلف علوم و فنون و حکمیات کی کتابیں اردو دنیا کے آگے پیش کیں، اور اس کی ادبیات میں جدید تصنیفات کا اضافہ کیا، اردو زبان میں وسعت دینے کا اہم اور ذمہ دار کام بھی انجام دیا۔ یہ قدرت کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ خود اردو کے بعض بڑے بڑے شاعروں اور خدمت گذاروں کا شیوہ رہا ہے کہ آئے دن اپنی زبان سے لفظوں کو

خارج کرتے رہیں اور اس پر فخر کریں کہ ہم نے اتنے الفاظ کو متروک قرار دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر زبان میں امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ بعض الفاظ بے جان ہونے لگتے ہیں یا صوتی تغیر و تبدل حاصل کرتے ہیں۔ اور ایسی صورت میں ان کا استعمال خود بخود لیکن غیر محسوس طریقہ پر کم ہونے لگتا ہے۔ مگر ایسا کہیں نہیں ہوتا کہ خود شاعر بعض بھلے چنگے لفظوں کو ترک کر دے اور اُن کی ایک طویل فہرست بنا کر اپنے شاگردوں کے سامنے پیش کرے اور انہیں مجرموں کی طرح قابل گردن زدنی قرار دے۔

اس طریقۂ کار کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ اُردو زبان محدود ہوتی گئی اور اس کا لفظی خزانہ گھٹنے لگا۔ اس کے مقابلہ میں ہندی شاعروں اور انشا پردازوں کا یہ حال ہے کہ وہ آئے دن برج بھاشا، پراکرت اور سنسکرت کے گوناگوں الفاظ کا اپنی زبان میں اضافہ کرتے جا رہے ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ اُردو میں عربی اور فارسی عنصر کی وجہ سے الفاظ کی جو فراوانی ہے اس کے مقابلہ میں اپنی زبان کی تہی مایگی کی تلافی برج بھاشا اور سنسکرت لفظوں کے شمول سے کی جائے، خواہ یہ الفاظ کتنے ہی نامانوس، مردہ، اور بھونڈے کیوں نہ ہوں۔

مگر ارباب ہندی کی یہ کوششیں حیدرآباد کی مساعی کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ اس لئے کہ اُن کی اس احتیاط اور کوشش کے باوجود بھی ان کے یہاں جدید ترین علوم و فنون کے الفاظ کی جو کمی ہے وہ متذکرہ قدیم زبانوں کے سارے لفظی خزانوں کو ہندی میں زندہ کر لینے کے بعد بھی پوری نہیں ہو سکتی۔

حیدرآباد ہر روز اُردو میں نئی نئی علمی و فنی اصطلاحیں پیش کرتا جا رہا ہے۔ اور اس کی کوشش ہے کہ اردو وسعت میں دنیا کی دوسری زبانوں کے برابر نہیں تو کم از کم قریب ضرور ہو جائے۔

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں روزانہ کسی نہ کسی موضوع کی مجالس وضع اصطلاحات منعقد ہوتی ہیں اور کافی غور و فکر اور بحث و مباحثہ کے بعد انگریزی اصطلاحوں کے لئے اردو الفاظ وضع اور معین کر دی گئیں

ان نئے لفظوں کا ایک مجموعہ فرہنگ اصطلاحات علمیہ کے نام سے چند سال پیشتر شایع ہو چکا ہے مگر اس کی اتنی مانگ ہوئی کہ کچھ ہی عرصہ میں سب نسخے ختم ہو گئے اور اب اس کا دوسرا چند مجموعہ زیر طبع ہے۔ اس کے علاوہ طب او رقانون کی اصطلاحوں کی لغتیں علیحدہ علیحدہ تیار کی جا رہی ہیں۔

دارالترجمہ کے ان مجموعوں کے علاوہ انجمن ترقی اردو کا بھی ایک مبسوط مجموعۂ اصطلاحات شایع ہو چکا ہے۔ اور اب بھی اس انجمن میں مختلف اردو لغتوں کے علاوہ پیشہ وروں کی اصطلاحات کا مجموعہ بھی زیر طبع ہے۔

اعلی حضرت سلطان العلوم اور حیدر آباد کی یہ خدمات اردو اتنی اہم ہیں کہ اُن کی اہمیت کا اندازہ موجودہ نسل بہت کم کر سکتی ہے جب اردو کی وہ کتابیں جن میں یہ اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں تمام ہندوستان میں شایع ہوں گی، اور اہل اردو ان سے عام طور پر مستفید ہوں گے اور اپنی تحریروں اور تقریروں میں استعمال کرنے لگیں گے تو اس وقت انہیں محسوس ہوگا کہ اُن کی زبان میں کتنی وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ اُن کے لفظی خزانہ میں کتنا اضافہ ہو گیا ہے اور ان کے آبا و اجداد کی زبان کے مقابلہ میں اُن کی زبان کتنی زیادہ مالدار ہے

(۷)

یہ امر ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ زبان قوموں کی زندگی اور قوت کا آئینہ ہوتی ہے۔ اگر وہ محدود اور کمزور ہے تو اس کے بولنے والوں کی معلومات اور سیاسی قوت بھی نہایت محدود اور کمزور ہوگی عہد عثمانی کی سرپرستیوں کی وجہ سے تمام ہندستان کے اردو داں اپنے اخباروں، رسالوں اور کتابوں میں شعر و شاعری، علم و فضل، انجینیری و طب و حکمیات وغیرہ کے علاوہ سیاسیات، معاشیات، قانون اور جدید ترین علوم و فنون کے متعلق بے دھڑک خیال آرائی اور مضمون نگاری کے قابل ہو جائیں گے اور ان امور میں ہندستان کی کوئی اور زبان اردو کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

غرض اعلی حضرت نے اردو کی بنیادوں کو اتنا مستحکم کر دیا ہے، اس کے لسانی اور ادبی خزانہ میں

اس درجہ وسعت پیدا کر دی ہے کہ اگر اردو بولنے والوں میں ذرا بھی سکت باقی ہے تو وہ اس کے سہارے بہت کچھ ترقی کر سکتے ہیں اور کشمکش حیات میں [illegible] نمایاں سبقت [illegible] سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اردو دنیا ان خدمات سے زیادہ سے زیادہ [illegible] اہل اردو ان جدید [illegible] کا مطالعہ کریں اور ان نئی نئی اصطلاحوں کو بار بار استعمال کریں [illegible] علمی کتابوں تک [illegible] محدود نہ رہیں بلکہ عام اردو زبان میں داخل ہو جائیں۔

اگر اردو بولنے والوں نے اس موقع [illegible] دیا اور اس بہتی گنگا [illegible] سیراب نہ ہوئے تو ان کا مستقبل نہایت مشتبہ ہو جائے گا اور کیا تعجب [illegible] ہندوستان کی دوسری زبانیں [illegible] عہد عثمانی کی ترقی اردو سے متاثر ہو کر میدان عمل و ترقی میں [illegible] پابند رہی [illegible] جائیں اور اہل ہند ایک نامعلوم مدت کے لئے کسی مغربی زبان [illegible] کے غلام رہیں۔

اس وقت اردو کا مسئلہ تمام ہندوستان [illegible] زبانوں کی قسمتوں کا مسئلہ ہے۔ اگر اردو عہد عثمانی کی سرپرستی میں شاہراہ ترقی پر چل کر [illegible] کو پہنچ گئی تو ہندوستان کی دوسری زبانوں کی بھی ہمت افزائی ہوگی۔ وہ سب اپنی اپنی [illegible] مطابق آگے کی طرف بڑھتی جائیں گی۔ اور چونکہ زبان کی ترقی قوم و ملک کی ترقی سے [illegible] تمام ہندوستان [illegible] کی ان شاندار کامیابیوں کا مرہون منت ہو جائے گا جو [illegible] سلطان العلوم آصف جاہ [illegible] خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی فیاض توجہ اور شاہانہ سرپرستی [illegible]

۵

ا ۔ اُن شاعروں اور انشا پردازوں کی فہرست جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔

ب ۔ وہ انجمنیں اور ادارے جو گذشتہ پچیس سال سے حیدرآباد میں سرگرم کار رہیں۔

ج ۔ اخبارات و رسائل جو گذشتہ پچیس سال میں حیدرآباد میں جاری رہے۔

اُن شاعروں اور انشاپردازوں کی حرف وار فہرست

جن کی اُردو خدمات کا تذکرہ اس کتاب میں مُندرج ہے

۳۳ مرزا حسین احمد بیگ صاحب
۳۴ آغا حیدر حسن صاحب
۳۵ نواب حیدر یار جنگ نظم طباطبائی مرحوم
۳۶ سیّد خورشید علی صاحب
۳۷ راجہ شیور راؤ صاحب اصغر
۳۸ راگھوندر راؤ صاحب جذب
۳۹ رشید احمد صدیقی صاحب
۴۰ رضا حسین خان صاحب رشید
۴۱ رضی الدّین حسن کیفی مرحوم
۴۲ رگھوناتھ راؤ صاحب ورد
۴۳ قاضی زین العابدین صاحب عابد
۴۴ سیّد سجّاد حسین صاحب
۴۵ سجّاد مرزا صاحب
۴۶ سراج الدّین صاحب طالب
۴۷ سردار علی صاحب
۴۸ سرفراز علی صاحب نوشش
۴۹ میر سعادت علی رضوی صاحب
۵۰ سعید الدّین صاحب
۵۱ سیّد محمد صاحب
۵۲ شبیر حسن خان صاحب جوش
۵۳ شبیر حسن صاحب قیس
۵۴ شمس الدین صدیقی صاحب
۵۵ حکیم سیّد شمس اللہ قادری صاحب
۵۶ جی شنکر راؤ صاحب
۵۷ شیخ چاند صاحب
۵۸ سیّد احمد صاحب
۵۹ نواب صادق جنگ حلم مرحوم
۶۰ صدق جائسی صاحب
۶۱ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ
۶۲ سیّد ضامن کنتوری صاحب
۶۳ ضیاء الدّین انصاری صاحب
۶۴ طاہر علی خان صاحب مسلم
۶۵ ظفریاب خان صاحب
۶۶ نواب ظہیر الدّین خان صاحب
۶۷ محمد عبد الباری ندوی صاحب
۶۸ محمد عبد الحفیظ صاحب
۶۹ عبد الحق صاحب
۷۰ خلیفہ عبد الحکیم صاحب
۷۱ عبد الرّب صاحب کوکب
۷۲ عبد الرحمٰن خان صاحب

۷۳ عبدالرحمٰن صاحب

۷۴ عبدالرزاق صاحب بسمل

۷۵ عبدالرزاق صاحب راشد

۷۶ عبدالستار صاحب ناشب

۷۷ عبدالسلام صاحب ذکی

۷۸ ابوالمظفر عبدالغفار صاحب

۷۹ عبدالقادر سروری صاحب

۸۰ عبدالقدیر صاحب حسرت

۸۱ عبدالقیوم خان صاحب باقی

۸۲ عبداللہ عمادی صاحب

۸۳ احمد عبداللہ مسدوسی صاحب

۸۴ سید عبداللطیف صاحب

۸۵ عبدالمجید صدیقی صاحب

۸۶ ابوظفر عبدالواحد صاحب

۸۷ عبدالواسع صفا مرحوم

۸۸ عبدالوہاب صاحب عندلیب

۸۹ ڈاکٹر محمد عثمان صاحب

۹۰ عزیز احمد صاحب

۹۱ عزیز الرحمٰن صاحب

۹۲ نواب عزیز جنگ ولا مرحوم

۹۳ نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز

۹۴ عظمت اللہ خان مرحوم

۹۵ علی اختر صاحب

۹۶ علی اصغر صاحب بلگرامی

۹۷ علی حسنین صاحب زیبا

۹۸ سید علی رضا صاحب

۹۹ علی شبیر صاحب

۱۰۰ عمر یافعی صاحب

۱۰۱ عنایت اللہ صاحب

۱۰۲ غلام دستگیر صاحب رشید

۱۰۳ غلام رسول صاحب

۱۰۴ غلام طیب صاحب

۱۰۵ غلام محمد خان صاحب

۱۰۶ غلام مصطفےٰ ذہین مرحوم

۱۰۷ فدا علی صاحب طالب

۱۰۸ مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب

۱۰۹ نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

۱۱۰ فضل الرحمٰن صاحب

۱۱۱ ڈاکٹر فضل کریم صاحب

۱۱۲ نواب فضیلت جنگ انوار اللہ خان بہادر مرحوم

۱۱۳ ابوالمکارم فیض محمد صدیقی صاحب
۱۱۴ مانک راؤ صاحب
۱۱۵ محسن بن شبیر صاحب
۱۱۶ محسن خان صاحب متین
۱۱۷ محشر عابدی صاحب
۱۱۸ محمد ابراہیم ندوی صاحب
۱۱۹ سید محمد اعظم صاحب
۱۲۰ سید محمد اکبر وفاقانی صاحب
۱۲۱ محمد الیاس برنی صاحب
۱۲۲ محمد امیر صاحب
۱۲۳ قاضی محمد حسین صاحب
۱۲۴ سید محمد حسین صاحب آزاد
۱۲۵ محمد مرتضیٰ مرحوم
۱۲۶ مرزا محمد ہادی رسوا مرحوم
۱۲۷ میر محمود علی صاحب
۱۲۸ مرزا محی الدین بیگ صاحب
۱۲۹ مختار احمد صاحب
۱۳۰ مخدوم محی الدین صاحب
۱۳۱ مسعود علی صاحب محوی
۱۳۲ مقصود ولی الرحمٰن صاحب
۱۳۳ معین الدین صاحب رہبر
۱۳۴ معین الدین قریشی صاحب
۱۳۵ مودود احمد صاحب تشنہ
۱۳۶ میر خان صاحب غربت
۱۳۷ میر حسن صاحب
۱۳۸ نبی الحسن صاحب تبسم
۱۳۹ ندیم الحسن صاحب تاثیر
۱۴۰ محمد نذیر الدین صاحب
۱۴۱ نصیر الدین ہاشمی صاحب
۱۴۲ محمد نظام الدین صاحب
۱۴۳ نور اللہ محمد صاحب نوری
۱۴۴ مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنۃ بہادر
۱۴۵ کشن چند صاحب
۱۴۶ راجہ گرو داس صاحب
۱۴۷ سید وحید الدین سلیم مرحوم
۱۴۸ سید وقار احمد صاحب
۱۴۹ میر ولی الدین صاحب
۱۵۰ سید وہاج الدین صاحب تسنیم
۱۵۱ ہارون خان شروانی صاحب
۱۵۲ سید ہاشمی فرید آبادی صاحب

ب

وہ انجمنیں اور ادارے جو گذشتہ پچیس سال سے حیدرآباد میں سرگرم کار رہیں

نوٹ :- اس فہرست کی ترتیب انجمنوں اور اداروں کے تاریخ قیام کے لحاظ سے کی گئی ہے

۱	انجمن طلبۂ قدیم دارالعلوم	۱۰	مجلس علمیہ
۲	جشن جوبلی دارالعلوم	۱۱	بزم اُردو نظام کالج
۳	حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس	۱۲	بزم اردو کلیہ جامعہ عثمانیہ
۴	انجمن ثمرۃ الادب	۱۳	سلسلۂ ادبیات اُردو
۵	مجلس اشاعت العلوم	۱۴	لٹریری اکیڈیمی
۶	انجمن اسلامیہ	۱۵	انجمن طیلسانین عثمانیہ
۷	انجمن ترقی اُردو	۱۶	انجمن ترقی ڈرامہ
۸	انجمن ارباب اُردو	۱۷	انجمن طلبۂ قدیم سٹی کالج
۹	مکتبہ ابراہیمیہ	۱۸	بزم تمثیل

ج

وہ اخبارات و رسائل جو گذشتہ پچیس سال میں حیدرآباد میں جاری رہے

نوٹ:۔ اس فہرست میں ناموں کا اندراج اخبارات و رسائل کی تاریخ اجرائی کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔

نمبر	نام	مدیر
۱	شیر دکن	کشن راؤ صاحب
۲	دکن ال رپورٹ	محمد اصغر صاحب، کیشور راؤ صاحب وغیرہ
۳	آصفیہ گزٹ	نواب ممتاز یار الدولہ بہادر
۴	ادیب الاطفال	احمد اللہ بیگ صاحب
۵	گلدستہ نادر	حکیم نادر علی صاحب
۶	دربار	احمد علی صاحب جودت
۷	شاہد سخن	گوبند پرشاد صاحب
۸	عثمان گزٹ	عبدالحی صاحب
۹	معارف	امیر حسن صاحب
۱۰	پولس گزٹ	زمانہ نواب عماد جنگ ثانی مرحوم
۱۱	تاج	غلام محمد صاحب وفا
۱۲	تزک عثمانیہ	مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر
۱۳	رہبر مزارعین	زیر نگرانی مظہر حسین صاحب
۱۴	ذخیرہ	ناظر الحسن صاحب ہوش
۱۵	افادہ	نظام شاہ صاحب لبیب
۱۶	صحیفہ	محمد اکبر علی صاحب
۱۷	المعالج	حکیم شبیر احمد صاحب
۱۸	نظائر برٹش انڈیا	ترلوکی ناتھ سہائے صاحب
۱۹	وقائع دفتر معتمدی مال	محمد رحمت اللہ صاحب
۲۰	اتالیق	محمد عبدالرب صاحب کوکب
۲۱	ثمرۃ الادب	نصیر الدین ہاشمی صاحب
۱۲	شعلہ	
۲۳	واعظ	محمد عبدالوہاب صاحب عندلیب
۲۴	دوست	وشنو مادھو راؤ صاحب
۲۵	رہبر دکن	احمد محی الدین صاحب
۲۶	النساء	صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ
۲۷	نونہال	مرغوب الدین صاحب
۲۸	تمایش	مرزا رفیق بیگ صاحب
۲۹	اردو	عبدالحق صاحب
۳۰	ترقی	ابوالمکارم صدیقی صاحب
۳۱	لسان الملک	سید محمد ضامن کنتوری صاحب
۳۲	خادمہ	مریم بیگم صاحبہ

تاج	غلام محمد صاحب وفا	صبح دکن	احمد عارف صاحب
المعلم	محمد حسین صاحب جعفری وغیرہ	منشور	محمد عبدالرحمٰن صاحب
النور	باقر حسین صاحب طارق	مجلہ مکتبہ	محمد عبدالقادر سروری صاحب
سائنس کی صدا	بھوانی پرشاد صاحب	ورزش جسمانی	محمد صالح صاحب
صراط المستقیم	ابوالفدا نور محمد صاحب	تاریخ	حکیم شمس اللہ قادری صاحب
ارتقا	محمد افضل شریف صاحب	سائنس	انجمن ترقی اردو
تحفہ	انجمن ارباب اردو	حیدرآباد ٹیچر	متفرق اساتذہ بلدہ
نظام کالج میگزین	طلبہ نظام کالج	مشاعرہ	نوراللہ محمد صاحب نوری
رہبر تعلیم		نورس	طلبہ اورنگ آباد کالج
مجلہ عثمانیہ	طلبہ کلیہ جامعہ عثمانیہ	ہیولی	خوشگی بیگم صاحبہ
تجلی	محمد سردار علی صاحب	کشفہ	محمد حمید اللہ صاحب
آئین دکن	فدا حسین خان صاحب	شہاب	محمد عبدالرزاق صاحب بسمل
رعیت	نرسنگ راؤ صاحب	حسن کار	سید محمد اکبر وفا قانی صاحب
نظام گزٹ	حبیب اللہ رشدی صاحب / وقار احمد صاحب	سفینہ	اختر قریشی صاحبہ
		خلیق	مرزا امام بیگ صاحب
دکن پنچ	حکیم جگناتھ پرشاد صاحب	ترجمان القرآن	ابوالاعلیٰ مودودی صاحب
الحمایت	محمد منیر الدین صاحب	مجلہ تحقیقات علمیہ	محمد عبدالرحمٰن خان صاحب / محمد عبداللطیف صاحب / عبدالحق صاحب
دکن گزٹ	ڈاکٹر مرزا غلام جیلانی صاحب		
الاعظم	عفران احمد صاحب انصاری	الموسی	طلبہ سٹی کالج

اشاریہ

اس اشاریہ کی ترتیب میں میں نے عزیزی
محمد عمر مہاجر صاحب سے مدد حاصل کی ہے۔

سید محی الدین قادری

ا

ب

ح

ر

ش

ص

ض

ط

ظ

ع

ق

ک

ن

و

ھ

ی